مکتبۂ جدید

میری لائبریری

سنگ و خشت

یہ کتاب مُردہ دِلی کی جانی دشمن ہے

کنہیا لال کپور

ایک روپیہ آٹھ آنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

KRI-414

سنگ و خشت کپور کے ان دلاویز مضامین کا
مجموعہ ہے ، جنہوں نے پڑھنے والوں کے لبوں پر
مسکراہٹیں پیدا کیں ، انہیں بے اختیار ہنسا کر
انہیں اپنے ہی بارے میں کچھ سوچنے پر مجبور کر
دیا اور کئی کھوکھلی محفلوں پر سے نقاب اٹھا کر
انہیں درہم برہم کر ڈالا ۔ ان مضامین میں
شگفتگی ہے ، زندگی ہے ، گہما گہمی ہے ، وہ
گہما گہمی جو کپور نے برصغیر کے تمام ادبی
حلقوں میں پیدا کی ۔ وہ ادبی حلقے جنہوں نے
کپور کو موجودہ دور کا سب سے بڑا طنز نگار
تسلیم کیا ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سنگ و خشت

کنھیالال کپور

مکتبۂ جدید لاہور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

میری لائبریری میں پہلی مرتبہ : سنہ ۱۹۶۰ء

ناشر .. .. رشید احمد چودھری

طابع .. .. استقلال پریس لاہور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پطرس کے نام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

C-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangot

تعارف

نام: کنہیا لال کپور۔ مگر بہت کم احباب مجھے اس نام کی رعایت سے جانتے ہیں۔ قد چھ فٹ۔ اہلِ زبان سا دل و دماغ تو نہیں البتہ جسم ضرور رکھتا ہوں۔ چہرے کے نقوش میں سوائے ناک کے کوئی اور چیز ابھری ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ حلیہ جناب مجاز لکھنوی سے ملتا جلتا ہے۔ سنِ ولادت جون ۱۹۱۰ء۔ گردشِ فلک نے ایک جگہ چین سے بیٹھنے نہیں دیا اس لئے وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میرا مستقل پتہ کیا ہے، کیا ہو گا۔ بزرگوں کا وطن دہلی نہ لکھنؤ بلکہ پنجاب ہے۔ ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے (انگریزی) کا امتحان پاس کیا۔

اردو میں سب سے پہلا مضمون ۱۹۳۶ء میں لکھا۔ عنوان تھا "چینی شاعری" ——— یہ ادبِ لطیف میں شائع ہوا۔ انگریزی میں بھی کبھی کبھی لکھتا ہوں۔ طرزِ نگارش میں مزاحیہ اور طنزیہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انداز کو ترجیح دیتا ہوں۔ جن ادیبوں نے مجھے متاثر کیا اُن کی تعداد تین ہے۔ پطرس۔ عظیم بیگ چغتائی۔ کرشن چندر۔ طبیعت ہمیشہ دروغ گوئی اور مبالغہ آمیزی کی جانب راغب رہی۔

چند چیزیں مجھے سخت ناپسند ہیں۔ غسل۔ ورزش۔ فلسفہ۔ خود فریبی۔ ہمہ دانی اور جملہ اقسام کی کمینگی۔ احباب کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ مجھے اپنے احباب کی چند چیزیں نہایت عزیز ہیں مثلاً کرشن چندر کا طرزِ نگارش۔ راجندر سنگھ بیدی کا خلوص اور معصومیت۔ اپیندر ناتھ اشک کے قہقہے۔ دھرم پرکاش آنند کی مسکراہٹ۔ نریندر ناتھ سیٹھ کے جھوٹ۔ مولانا صلاح الدین کی تنقید۔ عاشق حسین بٹالوی کی گفتگو۔ میراجی کی زلفیں اور دیویندر ستیارتھی کی ڈاڑھی ۔

مصنّف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیش لفظ

مزاح کیا ہے؟ مزاح اور طنز میں فرق کیا ہے؟ طنز اور ہجو میں کس طرح تمیز کی جا سکتی ہے؟ ان تمام سوالوں کے جوابات ارسطو سے لیکر برگساں تک ہر ایک فلاسفر نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق دئے ہیں۔ اس لئے یہ سوالات مجھ سے کرنے کی بجائے آپ ان محققین کی کتابوں کو غور سے پڑھ لیجئے۔ اب رہا سوال یہ کہ میں مزاح نگار ہوں یا طنز نگار۔ اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ میں ابھی کچھ بھی نہیں، ممکن ہے کہ اگر پانچ سات برس کسی ہندی استاد سے اردو پڑھوں۔ اور اتنے ہی برس کسی لکھنوی ماہر فن سے اصلاح لوں۔ اس کے بعد مچھلی شہر، ملیح آباد، فتح پور اور گونڈہ کی زیارت کروں کہ ان میں سے ہر ایک شہر علم و ادب کا مکہ ہے۔ تو شاید کچھ بن جاؤں۔ مگر یہ "شاید" ایک نہایت مبہم اور موہوم "شاید" ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں نے یہ مضامین کیوں لکھے؟ اس کی دو وجوہ ہیں۔ آج سے چار پانچ سال پہلے
میرے چند احباب نے مجھے بنانا شروع کیا کہ آپ اردو میں مزاحیہ اور طنزیہ مضامین
لکھ سکتے ہیں۔ اردو ادب کی بدقسمتی سمجھئے کہ میں ان کی باتوں میں آگیا اور لکھنا شروع کر دیا
یہ مجھے "بنانے والے" اصحاب کون تھے؟ سیجئے میں انھیں بے نقاب کئے دیتا ہوں۔
کرشن چندر۔ مولانا صلاح الدین۔ چوہدری نذیر احمد۔ آج جبکہ یہ مضامین شائع کر رہا ہوں
تو محسوس کرتا ہوں کہ وہ اوّل درجے کے دروغ گو تھے۔

دوسری وجہ ان مضامین کے لکھنے کی یہ ہے کہ اردو میں اعلیٰ لطیف طنزیہ تحریروں
کا اچھا خاصا قحط ہے۔ اور قحط میں اگر دو چار لقمے بھی دست یاب ہو جائیں تو غنیمت
سمجھے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان مضامین کو پڑھ کر کسی کو غصہ یا جوش آجائے اور
وہ آپ کی ضیافت بہتر قسم کے طعام سے کر سکے۔

ان مضامین کا مواد بیشتر شعرا اور ادبا کی زندگی سے لیا گیا ہے اور یہ دکھانے کی
کوشش کی گئی ہے کہ یہ برگزیدہ لوگ بھی مضحکہ خیز پہلو رکھتے ہیں۔ مگر ان مضامین کا مقصد
صرف پگڑی اچھالنا نہیں۔ ان میں اصلاح کی تلقین موجود ہے۔ اگر آپ بدقسمتی سے شاعر
یا ادیب ہیں تو بے شک اپنی اصلاح فرمالیں۔ مگر خدا کے واسطے یہ نہ سمجھ لیں کہ میں واقعی
بڑا بھاری خطیب یا مصلح قوم ہوں۔

کنہیّا لال کپور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک آرٹسٹ

ایک دن میرے دوست پروفیسر بشیر احمد نے باتوں باتوں میں مجھے بتایا کہ خدا اور بیوی کے بعد اگر وہ کسی شخص سے ڈرتے ہیں "تو وہ ان کا خانساماں ہے" میں نے کہا بچوں کی طرح ہم سب ایک نہ ایک ہوّے سے ساری عمر ڈرتے رہتے ہیں۔ کسی کا ہوّا کالج کا پرنسپل ہے۔ اور کسی کا دفتر کا سپرنٹنڈنٹ۔ پروفیسر بشیر احمد نے پوچھا "اور تمھارا ہوّا؟" میں نے جواب دیا۔ "ویسے تو میں متعدد چیزوں سے خائف رہتا ہوں۔ مثلاً مالکِ مکان سے جو ہر صبح کرائے کا تقاضا کرتا ہے۔ اپنے ڈاکٹر سے جس کا بل میں نے چھ مہینے سے نہیں چکایا اور ہمسائے کے کتّے سے جو دو دفعہ مجھے کاٹ چکا ہے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر میں اپنے ان احباب سے ڈرتا ہوں جو اپنے آپ کو "آرٹسٹ" کہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے ذرا مسکرا کر کہا "یہ کیسے؟" میں نے کہا "یہ لوگ بالکل عجیب واقع ہوئے ہیں۔ ان کا باوا آدم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہی نرالا ہے۔ انھیں میری بات کا یقین نہ آیا۔ کہنے لگے "تم آرٹسٹوں سے صریحاً بے انصافی کر رہے ہو۔" میں نے کہا "آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اس کے بعد آپ خود فیصلہ کر لیجئے گا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔" پروفیسر صاحب نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا "اچھا سنائیے۔"

میں نے کہا "جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پچھلی گرمیوں میں میں گلمرگ گیا تھا۔ وہاں میں نے ایک اوسط درجے کی کوٹھی جس کا نام "پیراڈائس" تھا۔ کرائے پر لی اور اپنی قیام گاہ کا پتہ سب احباب کو لکھ بھیجا۔ پتہ لکھنا تو صرف بہانہ تھا۔ در اصل اُن پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں کس طرح اُن سب پر بازی لے گیا ہوں۔ یعنی جب وہ لاہور اور ملتان کے جہنموں میں جل رہے ہیں، میں نو ہزار فٹ کی بلندی پر بیٹھ کر چائے نوش کر رہا ہوں۔ میرے خطوط کا پہنچنا تھا کہ چہار اطراف سے دوستوں نے جواب میں خط لکھنے شروع کر دیئے کہ وہ پہلی فرصت میں میرے پاس گلمرگ آ رہے ہیں۔ خیر بہت سے دوستوں نے تو آنے کی دھمکی ہی دی۔ مگر ایک صاحب نے جو کچھ لکھا اُس پر عمل بھی کیا۔ یہ میرے "آرٹسٹ" دوست دیویندر بھائی تھے۔ اب یہ صحیح ہے کہ اگر کسی شخص سے میں کوسوں دور بھاگنا چاہتا ہوں تو وہ بھائی دیویندر ہیں۔ میں نے سمجھا تھا کہ تین سو میل کے فاصلے پر میں بھائی دیویندر سے بالکل محفوظ ہوں۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ عزرائیل کی طرح وہ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ خط میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ مختصر سا سامان لے کر اتوار کو گلمرگ پہنچ رہا ہوں۔" مگر جب تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک "مختصر" اور "مفصل" میں بہت کم فرق ہے ان کا مختصر سا سامان ایک وزنی بستر، متعدد چھوٹی چھوٹی گٹھڑیوں، دو جہازی ٹرنکوں، ایک بندریا، اور ایک کُتّے کے پِلّے پر مشتمل تھا۔ چونکہ آپ اپنے کو آرٹسٹ کہتے ہیں اس لئے ہر بات میں جدّت پیدا کرنا آپ کا خاصہ ہے چنانچہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جب موٹر سے اُترے تو آپ کے کندھے پر بندریا تھی اور ہاتھ میں پٹے کی رسّی۔ کالر اُٹھا لگا
رکھا تھا۔ اور سر کے بال بے طرح بڑھ رہے تھے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ اور گھر تک تمام
راستے اپنے ہم سفروں کی کور ذوقی کا ماتم کرتے رہے۔ کیونکہ ان میں سے کئی اصحاب آپ
کی بندریا پر پھبتیاں اُڑاتے رہے تھے۔ میں نے ان کے پاسِ خاطر سے ہمدردی کے
چند کلمات کہے۔ اور ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے "پیراڈائس" پہنچ گئے۔

دوسرے دن میں انھیں سیر کو لے گیا۔ مگر مجھے پہلے ہی دن معلوم ہو گیا کہ بھائی
دیویندر کو ساتھ لے جانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ آپ راہ چلتے ہوئے اپنی دونوں آنکھیں
قدرتی مناظر پر رکھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو کسی راہ گیر سے ٹکر کھاتے ہیں۔ یا ہر آدھ
گھنٹے کے بعد کسی درخت یا چٹان سے سر ٹکتے ہیں۔ چنانچہ پہلی دفعہ جب وہ ایک یوروپین
لیڈی سے ٹکرائے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ دیدہ دانستہ اس سے بغل گیر ہونے
لگے تھے، وہ خاتون بیچاری بہت گھبرائی اور میں نے معذرت پیش کر کے معاملہ سلجھا دیا۔ مگر اس
کے بعد دیویندر بھائی نے تقریباً ہر ایک راہ گیر سے ٹکرانا اپنا معمول بنالیا۔ اور میں انھیں
ایک لمحہ میں "کیا دلفریب منظر ہے" اور دوسرے میں "معاف کرنا صاحب چوٹ تو نہیں لگی"
کہتے ہوئے سنتا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا کہ ان کو سڑک پر چلنا بھی نہیں آتا۔ یہ سمجھ کر
کہ اگر سڑک پر یہ اس طرح ہر کسی سے ٹکراتے رہے تو شاید ہاتھا پائی تک نوبت پہنچے،
میں انھیں ایک پگڈنڈی کی جانب لے گیا۔ یہ ایک نہایت تنگ اور پتھریلا راستہ تھا،
اور میں نے ان سے ذرا محتاط ہو کر چلنے کو کہا۔ مگر وہ عادت سے مجبور تھے اس لئے برابر
اِدھر اُدھر جھانکتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ شاید وہ دور اُفق کی طرف کچھ دیکھ رہے تھے کہ
یک لخت ان کا پاؤں پھسلا اور قبل اس کے کہ میں انھیں سنبھال سکتا۔ وہ نیچے ڈھلوان پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لڑھک چکے تھے۔ ان کے اس طرح گرنے پر مجھے پہلے تو مسرت ہوئی۔ سوچا ان کو یہیں
پڑا رہنے دوں۔ اور سیدھا گھر لوٹ چلوں۔ مگر پھر خیال آیا آخر مہمان ہیں۔ اس لئے ان کو
یہاں سے نکالنا میرا فرض ہے۔ خوش قسمتی سے گہرائی زیادہ نہ تھی اور اتفاق سے دو
ایک آدمی آس پاس موجود تھے۔ اُن کی اور چند مزدوروں کی مدد سے بھائی صاحب کو
نکالا گیا۔ پتہ چلا کہ آپ کا پاؤں بری طرح لچک کھا گیا ہے۔ بڑی مشکل سے انھیں گھوڑے
پر بٹھا کر گھر لائے۔

کوٹھی کے نزدیک کسی ڈاکٹر یا طبیب کا دواخانہ نہ تھا۔ اس لئے ایک کشمیری پہلوان
کو جو موچ نکالنے میں ماہر تھا بلا لائے۔ اب وہ بھائی صاحب کے پاؤں پر مالش کرنا
چاہے تو بھائی صاحب اُسے ہاتھ نہ لگانے دیں۔ وہ ہاتھ آگے بڑھائے اور یہ پاؤں
پیچھے ہٹائیں۔ یہ کھیل بڑی دیر تک جاری رہا۔ آخر کشمیری پہلوان نے ایک دفعہ لپک کر جو
پاؤں پکڑا تو بھائی دیویندر نے ایک بلند چیخ مار کر پہلوان کی پھرتی کی داد دی۔ اور "ہائے مر گیا"
کہہ کر اوندھے منہ فرش پر گر پڑے۔ اس کے بعد جوں جوں وہ مالش کرتا گیا بھائی صاحب
کی چیخیں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ پھر وہ بے طرح ہانپنے لگے۔ اور میری طرف غضبناک
آنکھوں سے دیکھ کر بولے "کیا جان نکلوا کر ہی دم لو گے؟" میں نے پہلوان کی طرف دیکھا
وہ کہنے لگا "ابھی پندرہ منٹ میں درست کئے دیتا ہوں۔ یہ تو یونہی چلا رہے ہیں" بڑی
مشکل اور خوشامد سے پہلوان صاحب کو اُن کی فیس دے کر رخصت کیا۔

اُس رات بھائی دیویندر نے چیخ چیخ کر سارے گھر والوں کی نیند حرام کی۔ ہر دس منٹ
کے بعد وہ پوری طاقت سے چلّاتے "ہائے میں گلمرگ کیوں آیا۔ اُف مجھے کتنا درد ہے"
خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور میں ایک ڈاکٹر صاحب کو جو گلمرگ سیر و تفریح کے لئے آئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے بلا لایا۔ انھوں نے مالش کے لئے ایک دوا دی۔ سینکنے کے متعلق ہدایات دیں۔
بہت سی تشفی دی اور چلے گئے۔ بھائی دیویندر دس دن تک بستر میں رہے۔ اس
عرصہ میں مجھے ان کی بندریا اور ان کے پلّے کی دیکھ بھال خود کرنی پڑی کیونکہ بندریا
ان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی اور پلّے پر تو وہ پکے ہوئے تھے۔

گیارہویں دن وہ سہارا لے کر چلنے کے قابل ہوئے۔ میں خوش ہو رہا تھا کہ اب
بندریا کو صبح و شام سیر کرانے کے ناخوشگوار فرض سے نجات ملی۔ مگر اسی دن بندریا
کو کھانسی کی شکایت ہو گئی۔ اب بھائی دیویندر کے ارشاد اور اصرار کے مطابق مجھے
اُسے سری نگر مویشیوں کے ہسپتال میں لے جانا پڑا۔ جونہی میں سری نگر میں لاری سے
اترا۔ چھوٹے بچوں کا ایک مجمع میرے پیچھے ہو لیا۔ اور جب میں بازار میں داخل ہوا تو سب نے
یہی سمجھا کہ میں کوئی پڑھا لکھا قلندر ہوں اور سری نگر بندریا کا تماشا دکھانے آیا ہوں۔ اس
لئے اور بہت سے تماشائی میرے پیچھے ہو لئے اور مجھ پر عجیب و غریب سوالات کی بوچھاڑ
کرنے لگے۔ مثلاً آپ کہاں سے آئے؟ بندریا کا تماشا کہاں کریں گے؟ آپ کتنے
عرصے سے بے کار ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ خیر جوں توں کر کے بندریا کو ہسپتال میں دکھایا
دوا لی اور بحزِ اپنی لبسیار واپس گلمرگ پہنچا۔

دو تین دن کے بعد بھائی دیویندر بالکل ٹھیک ہو گئے۔ اب وہ کچھ لکھنے پڑھنے
کی طرف متوجہ ہوئے۔ بھائی دیویندر بیک وقت افسانہ نویس، مصوّر اور شاعر واقع
ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ صبح کو افسانہ لکھتے۔ دوپہر کو اشعار موزوں کرتے اور شام
کو منظر کشی کرتے۔ عموماً ہر شام وہ مجھے کسی بلند چوٹی پر لے جاتے اور وہاں قدرت، شفق
اور غروب جیسی قدرتی موضوعات پر بیٹھ کر دیکھتے کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ اپنی تصویر کشی کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سامان گھر بھول آتے۔ اس حالت میں یا تو مجھے ان کی نندریا کو تھامنا پڑتا کہ وہ گھر جا کر سامان لے آئیں۔ یا خود گھر سے سامان لے جانا پڑتا۔ وہ گھنٹوں وہاں بیٹھے اپنی تصویر "گلمرگ میں شام کا منظر" کھینچتے اور مٹاتے رہتے۔ یہاں تک کہ اندھیرا ہو جاتا اور میں حیران ہوتا کہ وہ اس اندھیرے میں افق کی جانب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب بہت دیر ہو جاتی اور میں انہیں ڈرتے ڈرتے گھر چلنے کو کہتا تو وہ فرماتے۔ "میں اب تصویر مکمل کر کے آؤں گا۔ تم میرا کھانا یہیں پہنچا دینا۔" اور چونکہ وہ ہر روز ایک نئی چوٹی پر بیٹھ کر منظر کشی کرتے تھے۔ اس لئے نوکر کی بجائے مجھے ہی ان کا کھانا پہنچانا پڑتا تھا......

جس دن آسمان پر بادل چھائے ہوتے اس دن بھائی دیوبندر مجھے گھر نہ بیٹھنے دیتے کیونکہ مینہ میں بھیگنا اُن کی دانست میں "قدرت کے کھلے حمام" میں نہانا تھا۔ اس لئے نہ خود چھاتہ لے جاتے اور نہ مجھے لے جانے دیتے۔ ایک دن ہم گلمرگ سے دو تین میل دور نکل گئے۔ اتنے میں پہلے بارش آئی اور پھر اولے پڑنے شروع ہو گئے۔ میں دوڑ کر ایک چرواہے کی جھونپڑی میں پناہ گزین ہوا۔ مگر بھائی دیوبندر سر سے ہیٹ اتار کر کہنے لگے "آہا کیسا دلفریب نظارہ ہے۔ کیا خوب اولے پڑ رہے ہیں۔" باوجودیکہ میں نے دو تین دفعہ ان سے جھونپڑی میں آنے کے لئے کہا مگر وہ برابر سڑک پر ننگے سر کھڑے اولوں کا "لطف محسوس کرتے" رہے.....

ایک عجیب بات ان میں یہ تھی کہ اُن کو وقت بے وقت افسانہ یا نظم لکھنے کے لئے نئے موضوع سوجھتے رہتے۔ چنانچہ کئی دفعہ وہ چلتے چلتے کسی ٹھہری ہوئی موٹر کے قریب کھڑے ہو جاتے اور جیب سے پنسل نکال کر کچھ اس طرح نوٹ کرتے کہ دیکھنے والے سمجھتے موٹر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا نمبر نوٹ کر رہے ہیں۔ کئی دفعہ رات کے دو یا تین بجے مجھے بیدار کرتے اور پوچھتے "تمہارے پاس پنسل اور کاغذ کا ٹکڑا ہے؟ بڑا اچھا خیال سوجھا ہے۔ نوٹ کر لوں۔ کہیں ذہن سے اُتر نہ جائے"۔ ایک رات جونہی میری آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ آپ کا بستر خالی ہے۔ حیران ہوا کہ کہاں گئے۔ اُٹھ کر ادھر ادھر ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ لائبریری میں بیٹھے افسانہ لکھ رہے ہیں۔ میں نے ذرا ترشروئی سے کہا "یہ کیا حماقت ہے"۔ کہنے لگے "تم چلو میں ابھی افسانہ لکھ کر آتا ہوں۔ خدا کی قسم نہایت اچھوتا پلاٹ سوجھا ہے"۔ ایک اتوار کو چند اصحاب کے ساتھ کھلن مرگ جانے کا پروگرام بنایا۔ بھائی دیویندر خاص طور پر کھلن مرگ جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ انھیں وہاں سے "دریائے جہلم کی روانی" کا منظر کھینچنا مطلوب تھا۔ جب ہم سب تیار ہو گئے تو بھائی دیویندر ایک منٹ کے لئے لائبریری میں گئے۔ آدھ گھنٹہ گذر گیا مگر وہ باہر نہ آئے۔ میں انھیں بلانے گیا تو دیکھا کہ لائبریری کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ آواز دی۔ کہنے لگے "بھائی تم کھلن مرگ ہو آؤ۔ میں اب نظم مکمل کر کے ہی اٹھوں گا"۔ میں نے کہا "عجب بدتمیزی ہے"۔ کہنے لگے "بھائی اگر اب مکمل نہ ہوئی تو کولیرج کی نظم قبلا خان کی طرح ہمیشہ ادھوری رہے گی۔۔۔۔"

خیر اس قسم کی عجیب وغریب حرکات کا کہاں تک شمار کروں۔ سب سے عجیب حرکت تو انھوں نے گلمرگ سے واپس آتے ہوئے کی۔ جب موٹر بانہال پہنچی تو وہاں ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے لئے اترے۔ کھانا کھانے کے بعد آپ سگریٹ لینے بازار کی جانب گئے۔ مگر پون گھنٹہ تک واپس نہ آئے۔ میں ان کی تلاش میں گیا۔ سارا بازار چھان مارا۔ مگر پتہ نہ چلا۔ بازار سے نکل کر پہاڑ کی طرف گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک چشمے کے کنارے پانی میں پاؤں لٹکائے ماتھے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ میں نے کہا "قبلہ یہ کیا؟" فرمانے لگے "یہ چشمہ مجھے نہایت پسند ہے۔ اسی چشمے پر شکنتلا اور میں نے محبت اور وفا کا پیمان باندھا تھا۔ آہ بیچاری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شکنتلا اب اس دنیا میں نہیں۔ خدا اُسے جنّت نصیب کرے۔ مگر میں آج آنسو بہا بہا کر اس چشمے میں ایک آبشار ملا دوں گا۔" میں نے کہا "اٹھو۔ کیا بے سروپا باتیں کرتے ہو، اُدھر ڈرائیور سخت بے تاب ہو رہا ہے۔" اس پر دیویندر بھائی جھنجھلا کر بولے "تمھیں کچھ تمیز نہیں۔ جذبات سے تو تم بالکل کورے ہو۔ تمھیں مجھ سے زیادہ اپنے ڈرائیور کا خیال ہے" اس کا جواب میں کیا دیتا۔ بڑی منت سماجت کی کہ اٹھو اب چلیں مگر وہ برابر آنسو بہائے جاتے تھے اور کبھی کبھی رومال سے منہ پونچھ کر کہتے "پیاری شکنتلا! یہ مت سمجھنا کہ میں تمھیں آسانی سے بھول جاؤں گا۔"

مختصر یہ کہ میں انھیں چشمے کے کنارے بیٹھا چھوڑ کر واپس بازار میں آیا۔ کچھ دیر اور انتظار کیا۔ مگر جب وہ چار بجے تک نہ لوٹے تو مجبوراً ڈرائیور سے موٹر چلانے کو کہا۔ دو ہفتے کے بعد ایک دن اتفاقاً میری ملاقات بھائی دیویندر سے ہال روڈ پر ہوئی۔ میں نے سمجھا کچھ شکوہ شکایت کریں گے۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ بے حد خوش ہیں۔ کیونکہ میں انھیں اس چشمے پر اکیلا چھوڑ کر آ گیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ بانہال پورے دس دن رہے اور ہر روز اس چشمہ پر جاتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے جیب سے ایک تصویر نکالی جو انھوں نے خود کھینچی تھی۔ اس میں ایک عمر رسیدہ چہرہ ڈبڈبائی آنکھوں سے چشمے میں مچھلیوں کی طرف دیکھ رہا تھا نیچے لکھا تھا "آرٹسٹ کی محبوبہ!"

یہ واقعہ سن کر میرے دوست بشیر احمد جنھیں خود بھی آرٹسٹ ہونے کا فخر ہے کہنے لگے "میرا اب بھی خیال ہے کہ دیویندر بھائی اپنی ہر جدت میں حق بجانب تھے۔ اگر ایک آرٹسٹ ایسی باتیں نہ کرے تو ایک آرٹسٹ اور انسان میں فرق ہی کیا ہے۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ریڈیو خریدا ہے!

(آل انڈیا ریڈیو سے معذرت کے ساتھ)

ریڈیو خریدنے سے پہلے انسان اُن لوگوں پر رشک کرتا ہے۔ جن کے پاس ریڈیو ہے اور ریڈیو خریدنے کے بعد اُن لوگوں پر جن کے پاس ریڈیو نہیں۔ اس انقلاب کی ذمہ داری چند اشخاص پر عائد ہوتی ہے۔ مثلاً پروگرام مرتب کرنے والے ' اپنے احباب ' ہمسائے۔ ریڈیو خریدنے سے قبل جب کبھی گلی یا بازار میں سے گذرتے ہوئے آدمی ریڈیو کی آواز سنتا ہے۔ تو سوچتا ہے۔ "کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ جو بالاخانہ میں بیٹھ کر دہلی، لکھنؤ اور لاہور سے نشر کئے ہوئے گانے یا تقاریر سُن رہے ہیں" اور جب وہ خود ریڈیو خرید لیتا ہے اور دو تین روز ریڈیو پروگرام سُن لیتا ہے تو پھر اس کا جی چاہتا ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونس کر کسی ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں ریڈیو کی لہروں کا گذر نہ ہو۔ پھر اسے ریڈیو والوں پر رشک نہیں بلکہ رحم آتا ہے اور بعض دفعہ تو رحم کا جذبہ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ وہ ہر ایک سننے والے سے بغل گیر ہو کر کہنا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چاہتا ہے:-

کیا جانئے کہ دل پر گذرے ہے میرؔ کیا کیا

تین ماہ کا عرصہ ہوا۔ حماقت کے کسی لمحے میں میں نے بھی ایک ریڈیو خرید لیا۔ اب یہ حالت ہے کہ ریڈیو سننا تو کجا اس کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ اس تین ماہ کے عرصہ میں مجھے ریڈیو پروگرام سے اچھی طرح واقفیت حاصل ہو گئی ہے مثلاً پہلے جب میں ریڈیو میں سے پے در پے دھماکوں کی آوازیں سنتا تھا تو سمجھتا تھا کہ شاید کہیں ہوائی حملہ ہو رہا ہے اب مجھے پتہ ہے کہ اگر ایسی آوازیں سنائی دیں تو اس کا مطلب ہے کہ لاہور ریڈیو سٹیشن پر قوالی گائی جا رہی ہے۔ اسی طرح اگر عالم نزع میں ایڑیاں رگڑنے اور گڑگڑانے کی سی آوازیں سنائی دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی بزرگ دم توڑ رہے ہیں بلکہ یہ کہ دہلی ریڈیو سٹیشن سے "پکا گانا" نشر کیا جا رہا ہے۔ اگر بار بار کھڑکی کے کھلنے اور بند ہونے اور بادل کی مصنوعی گرج کی آواز سنائی دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لکھنؤ ریڈیو سٹیشن ڈرامہ "براڈکاسٹ" کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر ایک باریک سی آواز پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کچھ کہتی ہوئی سنائی دے تو "عورتوں کا پروگرام" اور اگر تالیوں کے متواتر شور کے درمیان بے تحاشا چیختی ہوئی آوازیں آپ کے کانوں تک پہنچیں تو یقیناً یہ بچوں کا پروگرام ہے اور اگر ایسی آوازیں سنائی دیں جن سے کان کا پردہ پھٹنے کا احتمال ہو تو بلاشک یہ دیہاتی پروگرام ہو گا۔

ساتھ ہی اب میں گانے والوں اور گانے والیوں میں اچھی طرح تمیز کر سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ گانے والے عموماً تیسرے شعر یا دوسرے بند پر سُر اور تال سے چوکتے ہیں۔ اور گانے والیاں عموماً شروع سے لے کر آخر تک بغیر سُر اور تال کے گا سکتی ہیں۔ گانے والے عموماً غالب کی غزلیں گا کر سناتے ہیں اور گانے والیاں عموماً جگر یا بہزاد کی۔ صرف دو چیزوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں گانے والے اور گانے والیاں متفق ہیں۔ اور وہ یہ کہ دونوں صحیح تلفظ کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اور دونوں "پکا گانا" گانے میں ماہر "پکا گانا" سناتے وقت دونوں اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح سننے والے کا دم ناک میں آجائے۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا مصرع جیسے "میں نہ بولوں گی" یا "ہٹو سیاں" تقریباً پچاس ساٹھ دفعہ اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ سننے والے پر وحشت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اگر "میں نہ بولوں گی" کی رٹ لگائی جاتی ہے تو پندرہ منٹ تک سننے والا اس طرح کی آوازیں سنتا ہے۔

میں نہ میں نہ میں نہ نہ نہ نہ نہ

گا رے گا۔ گا رے گا۔ ما رے ما۔ دھا نہ نہ بولوں

نہ رے گا۔ سا رے ما۔ سا رے۔ سا رے بولوں گی

حتیٰ کہ وہ تنگ آکر چیخ اٹھتا ہے۔ کہ اگر آپ واقعی نہ بولیں تو آپ کی بڑی عنایت ہو۔ اسی طرح "ہٹو سیاں" کے دو الفاظ اس طرح بار بار دہرائے جاتے ہیں کہ سننے والا یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یا تو "سیاں" بہت ڈھیٹھ ہیں جو اتنی بار کہنے پر بھی نہیں ہٹتے یا بالکل بہرے ہیں جنھیں کچھ سنائی نہیں دیتا۔

دوسری بات جو میں ریڈیو پروگرام کے متعلق جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ ریڈیو کے پروگرام مرتب کرنے والے بہت ستم ظریف واقع ہوئے ہیں۔ پروگرام مرتب کرتے وقت کسی سٹیشن کی حق تلفی نہیں کرتے۔ چنانچہ ریڈیو سنتے وقت آپ کسی سٹیشن کی طرف سوئی گھمائیں۔ آپ کو ایک ہی قسم کا گانا سنائی دے گا۔ مثلاً اگر دہلی سے عاشق علی خاں گا رہے ہیں اور لاہور سے معشوق علی خاں تو ان کے گانوں میں چنداں فرق نہ ہو گا۔ تقریباً وہی طرز اور وہی لے ہو گی اور عین اغلب ہے کہ دونوں ایک ہی غزل گا رہے ہوں۔ دوسرے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پروگرام مرتب کرنے والے اتنے حق پسند ہیں کہ گویّے ڈھونڈھتے وقت اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ نہ صرف ان گویّوں کے گانوں میں مطابقت ہو۔ بلکہ اُن کے ناموں میں بھی۔ چنانچہ اگر دہلی سے مُنّی بائی گا رہی ہیں تو لکھنؤ سے منا بائی۔ اگر لاہور سے مس حسنی کا گانا ہے تو لکھنؤ سے حسن لال کا گانا ہوگا۔ اگر دہلی سے امراؤ خاں گاتے ہوئے سنائی دیتے ہیں تو لاہور سے امراؤ ضیا بیگم۔

ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ہر ایک اسٹیشن سے قریب قریب ایک ہی قسم کے گیت نشر کئے جائیں۔ صرف معمولی جغرافیائی ردو بدل کیا جائے۔ مثلاً اگر لکھنؤ سے یہ گیت گایا جا رہا ہے: "گنگا کے اس پار پریتم" تو دہلی میں اُسے اس طرح گایا جائے "جمنا کے اس پار پریتم" اور لاہور پہنچتے پہنچتے وہ گانا "راوی کے اس پار پریتم" میں تبدیل ہو جاتے۔

مگر پروگرام مرتب کرنے والوں کی ستم ظریفیاں یہیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ دوپہر کے وقت وہ آپ کو گراموفون ریکارڈ سنواتے ہیں۔ اور ایسا کرتے وقت اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہیں کہ صرف وہی ریکارڈ منتخب کئے جائیں جن کو سُن کر سننے والا ریڈیو سیٹ کو توڑنے پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ ریکارڈ جو آپ کے بچپن میں مقبول تھے۔ یا جن کو آپ نے تب سُنا تھا جب آپ پرائمری جماعت میں پڑھا کرتے تھے عموماً آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ فلمی ریکارڈوں میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی تازہ فلم کا ریکارڈ ریڈیو پر نہ آنے پائے۔ دوسرے یہ کہ ہفتہ میں ایک ہی ریکارڈ دوبارہ سہ بارہ ضرور سنوایا جائے اور اس طرح سننے والوں کے دل میں ان ریکارڈوں کے خلاف ایک ایسا نفرت کا جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ ساری عمر ان ریکارڈوں پر لعنت بھیجتے رہا کریں۔

اب رہی تقاریر سو ان کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ جس نے ریڈیو پر تقاریر سنی ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ابھی زندہ ہے اس شخص کی قوتِ استقلال کی ہر صاحبِ ذوق کو داد دینی چاہیئے۔ ریڈیو پر تقاریر سن کر یا تو انسان کو بے حد ہنسی آتی ہے یا بے حد غصہ۔ کیونکہ بعض اوقات مقرر اپنے موضوع سے اس قدر لا علمی کا اظہار کرتا ہے کہ سننے والے کو اس کی بیباکی پر تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب "عراق اور موجودہ پولٹیکل حالت" پر تقریر کر رہے ہیں۔ آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ عراق کے حالات پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ مگر آپ کی حیرانی کی کوئی حد نہیں رہتی جب آپ یہ دیکھتے ہیں کہ پندرہ منٹ میں انھوں نے صرف عراق کا حدود اربعہ بیان کیا ہے۔ اسی طرح کوئی صاحب اقبال کے فلسفہ حیات پر تقریر فرماتے ہیں مگر کوئی کام کی بات بتانے کی بجائے بے معنی فقرات وہرا وہرا کر آپ کی تضحیک کا باعث بنتے ہیں جیسے "اقبال کا فلسفہ حیات بہت عمیق ہے۔ بہت گہرا ہے۔ اتنا گہرا ہے کہ ہم تم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں"

اب بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ریڈیو خریدنا لینا تو آسان ہے مگر ریڈیو سننا اتنا آسان نہیں۔ کیونکہ اوّل تو عموماً موسم ہی خراب رہتا ہے۔ اگر موسم خراب نہ بھی ہو تو پروگرام ضرور خراب ہوتا ہے۔ اگر موسم اور پروگرام موافق ہوں تو پھر اپنی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بہت سے حضرات مصلحت اسی میں سمجھتے ہیں کہ ریڈیو خریدا تو جائے مگر اسے سنا نہ جائے۔ دوسری دقّت یہ ہے کہ جس دن آپ ریڈیو خرید کر گھر لاتے ہیں۔ آپ کے واقف کار احباب اور ہمسائے یہ تہیہ کر لیتے ہیں کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں کسی وقت آپ کو تخلیہ میں ریڈیو سننے نہ دیں گے۔ چنانچہ پانچ بجتے ہی آپ کے گھر پر آپ کے واقف کاروں کا جمگھٹا ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی تیمور دھن کا گانا سننے آیا ہے۔ کوئی رسولن بائی کا ترانہ، کوئی برلن کی خبروں کا شائق ہے۔ اور کوئی بی بی سی کے پروگرام کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عاشق۔ اب پہلے آپ کو ان حضرات کی پان سگریٹ سوڈا سے خاطر تواضع کرنا ہے۔ پھر ہر ایک کی پسند کی چیز سنانا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ریڈیو ایک ہی وقت میں تمام فرمائشیں پوری نہیں کر سکتا۔ اس لئے آپ کے احباب میں وہ ہنگامہ برپا ہوتا ہے کہ ریڈیو کی آواز اس شور و غل میں خود بخود گم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ذاکر صاحب ۸ بجے دہلی سے منٹو صاحب کا لکھا ہوا ڈرامہ سننا چاہتے ہیں۔ اور شاکر صاحب برلن سے ہندوستانی میں خبریں۔ اور باقر صاحب لاہور سے شمشاد بیگم کا گانا۔ اب سوال یہ ہے کہ کس کو انکار کیا جائے۔ ذاکر صاحب کہہ رہے ہیں کہ جرمنی کی خبریں سراسر بکواس ہیں شاکر صاحب کی دہلی سے براڈکاسٹ کئے گئے ڈراموں کے متعلق یہی رائے ہے۔ اور باقر صاحب سمجھتے ہیں کہ خبروں اور ڈراموں سے شمشاد بیگم کا گانا بدرجہا افضل ہے۔ یہ تکرار پندرہ منٹ تک رہتی ہے اور اس عرصہ میں برلن کی خبریں، منٹو صاحب کا ڈرامہ اور شمشاد بیگم کا گانا ہمیشہ کے لئے فضا میں گم ہو جاتا ہے۔

اور اگر شامتِ اعمال سے آپ کے احباب اور واقف کاروں میں کسی کو گانے سننے مَس ہے تو پھر آپ کی بد نصیبی کا کیا کہنا! ادھر گانا شروع ہوا اور اُدھر انھوں نے سر دھننا یا میز اور کرسی کو بطور طبلہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بعض ہوا میں ہاتھ ہلا ہلا کر اپنی خوش ذوقی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور آنکھیں بند کر کے مصنوعی وجد کی حالت پیدا کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک دو منٹ تک جاری رہتا ہے اور پھر یک لخت اُن میں سے ایک پکار اٹھتا ہے۔ بالکل خراب کر دیا۔ اُف۔ کم بخت بالکل بے سُرا ہو گیا۔ اس پر اپنی عجیب و غریب حرکات بند کر کے گانے والے پر لعن طعن شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ کمبخت نے بھیم پلاسی کا ستیاناس کر دیا۔ کوئی گویا ہوتا ہے، یہ سب طبلے والے کا قصور ہے۔ کسی کی دانست میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ سارنگی والے کی خطا ہے اور باقی وقت اس مسئلے پر بحث کی جاتی ہے کہ آیا وہ شروع سے بھیم پلاسی گا رہا تھا۔ یا "سندھورا" اسی طرح ہر ایک گانے کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور سرتال کے معاملے میں دوسروں سے اختلاف ظاہر کر کے اپنی فضیلت قائم کی جاتی ہے۔ "آہا۔ مالکونس تین تال میں کیا لطف دے رہا ہے" اس پر دوسرا فوراً پکار اٹھتا ہے "ابھی نہیں یہ تو چارتال ہے" اس بات کا تصفیہ کرنے کے لئے کہ آیا یہ تین تال ہے یا چارتال، رات گئے تک مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ چند احباب فطرتاً ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔ وہ جب تک پروگرام الف سے یے تک نہ سن لیں اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ آپ ان کو گھر سے نکالنے کے لئے چاہے کتنے بہانے بنائیں۔ مثلاً "اب تو نیند آرہی ہے۔ اب باقی کے پروگرام میں کوئی اچھا گویا یا مقرر نہیں۔ اب تو گانا سنتے سنتے طبیعت اکتا گئی" مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے حتیٰ کہ آپ کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ ان کے سونے کا انتظام بھی آپ ہی کو کرنا پڑیگا۔

آخر میں صرف اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ ریڈیو کی آواز ڈھول کی آواز کی طرح صرف دور سے سہاؤنی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اگر آپ کو ریڈیو خریدنے کا شوق ہے تو ضرور خریدیں مگر اس کو اپنے ہمسائے کے گھر پر لگا کر سنیں۔ ورنہ خاک لطف نہ آئے گا اور کوفت مفت میں ہوگی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چینی شاعری

چینی شاعری پر قلم اٹھانے سے پہلے میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں چینی
نہیں جانتا۔ مگر اس بات کا مجھے چنداں افسوس نہیں، کیونکہ اگر میں چینی نہیں جانتا تو آپ
کب جانتے ہیں؟ چینی تمدن، چینی لٹریچر، چینی تہذیب سے میری واقفیت صرف دو
چیزوں کی وساطت سے ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک تو ہے چینی کا پیالہ جو میں نے پچھلے
سال آل انڈیا نمائش سے خریدا تھا۔ اور دوسری ہے ایک چینی تصویر جس میں ایک چینی
شہزادی (میں اسے شہزادی ہی کہوں گا) ایک کتے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے
بہرحال آپ کو ان چیزوں سے کیا مطلب؟ آپ تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ چین کا سب سے
بڑا شاعر کون ہے، اور چین میں اس وقت کتنے شاعر ہیں۔ تو سنیے چین کا سب سے بڑا
شاعر شین شے شک ہے اور چین میں اس وقت ہزاروں شاعر ہیں۔ بلا مبالغہ چین کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بچہ بچہ شعر کہتا ہے۔ اگر میں ان تمام شاعروں کے نام لکھ دوں، تو آپ یقیناً حیران ہو جائیں اور اگر میں ان کے مطبوعات کی فہرست بھی شامل کر دوں تو آپ کی حیرانی پریشانی میں تبدیل ہو جائے۔ مگر میرا مقصد آپ کو حیران یا پریشان کرنا نہیں میرا مطلب تو آپ کا چینی شاعری سے تعارف کرانا ہے۔ چینی شاعروں کے نام یاد کرنے کا ایک نہایت سہل طریقہ مجھے یاد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ ان چھ سات لفظوں کو یاد کرلیں۔ پانگ شانگ۔ ٹانگ۔ شک۔ بک۔ ٹین۔ شین۔ اب انہی لفظوں کے ہیر پھیر اور امتزاج سے چین کے ہر ایک چھوٹے اور بڑے شاعر کا نام بن سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ چین کا سب سے بڑا رومانی شاعر کون ہے؟ تو آپ فوراً کہہ دیجئے۔ ٹین بک بک۔ چین کا سب سے بڑا انقلابی شاعر کون ہے؟ شین ٹانگ ٹانگ۔ اقتصادی شاعر؟ شک ٹین ٹانگ۔

اچھا آپ کی ایک مشکل تو حل ہوئی۔ اب آگے چلئے۔

یقیناً آپ اس بات کے جاننے کے خواہش مند ہیں کہ چینی شاعر، کن چیزوں کو شاعری کا موضوع بناتے ہیں اور ان کے کلام کی کیا خصوصیات ہیں۔ تو سب سے پہلی بات جو آپ کو سمجھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ چینی شاعر عموماً پھولوں، جھیلوں، سمندروں اور سانپوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ مثلاً شین ٹین ٹانگ کو ہی لیجئے۔ اپنے تازہ مجموعہ کلام میں اس نے سوائے سانپوں کے کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں کیا۔ مثال کے طور پر اس نظم کو لیجئے:-

"آہا جھیل کے سنہری پانی پر سانپ ناچ رہا ہے۔

کیا دلکش نظارہ ہے

کاش ہم سب سانپ ہوتے۔

مگر آپ یہ نہ سمجھئے۔ کہ شین ٹین ٹانگ سوائے سانپوں کے کسی اور چیز پر لکھ ہی نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سکتا۔ اس نے ہائیڈ کوں اچوہوں اور مچھروں پر بھی لاتعداد نظمیں لکھی ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ دوسری بات چینی شاعری کے متعلق یہ ہے کہ چینی شاعر عجیب و غریب استعارے، نادر الوجود ترکیبیں اور نہایت دلکش تشبیہیں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً شین ٹانگ ایک جگہ لکھتا ہے :-

میری محبوبہ کی آنکھیں
سبز ہیں
شفتالو کے پتوں کی طرح
اس کے دانت
تیز ہیں
تلوار کی طرح
اور آندھی کی طرح
اس کے بال سیاہ ہیں
اور قد دیوارِ چین سے اونچا ہے۔

آپ نے کالی، نیلی اور پیلی آنکھیں تو دیکھی اور سنی ہوں گی۔ مگر سبز آنکھیں صرف شین شانگ کے کلام ہی میں پائی جاتی ہیں، اور محبوبہ کے دانتوں کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟ جزاک اللہ صاحب! یہ چین ہے چین اور سنئے۔ پانگ پانگ چین لکھتی ہیں:-

سورج کی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں مجھے بے چین کر رہی ہیں
خزاں آگئی
طرح طرح کے پھول کھلے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بلبل گا رہی ہے ۔ مگر اُف!
مجھے کس قدر بھوک لگ رہی ہے ۔

حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ۔ چین میں یا یوں کہیئے چینی شاعری میں ہر ایک چیز ممکن ہے ۔ اور یہی تو چینی شاعری کی خوبی ہے ۔ ہمارے ہاں بہار میں پھول کھلتے ہیں مگر چینی شاعروں کا تخیّل دیکھئے ۔ کہ خزاں میں پھول کھلوا دیے ۔ اور پھر سورج کی ٹھنڈی کرنیں! قلم توڑ کے رکھ دیا ہے ۔

چینی شاعر پھولوں کے بہت دلدادہ ہوتے ہیں ۔ ایک شاعر لکھتا ہے :-

"مجھے نیلوفر کے پھول لا دو
اور ہاں، نرگس، چنبیلی اور گلاب بھی
کیا تم نے نہیں سنا
مجھے نیلوفر کے پھول درکار ہیں
کہیں سوسن نہ لے آنا ۔ بے وقوف!
مجھے چاہئیں، صرف نرگس، چنبیلی اور گلاب
اچھا ۔ ٹھہرو ۔ آج مت لانا
مجھے آج زکام ہے"

آخری مصرع میں شاعر نے حقیقت نگاری کو جس معراج پر پہنچایا ہے ۔ وہ اس کا ہی حصّہ ہے ۔ کاش! ہمارے نوجوان ہندوستانی شاعر کچھ چینی شاعروں سے سیکھتے ذرا غور فرمائیے ۔ شاعر پھول منگوانا چاہتا ہے ۔ مگر یک لخت اس کو خیال آتا ہے کہ اسے زکام ہے ۔ پھر پھول منگوانے کا فائدہ ہی کیا؟ پھر بھی سہی " شاعر کہتا ہے اور نظم کو اس رنگین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مصرع پر کہ "مجھے آج زکام ہے" ختم کر دیتا ہے۔

اظہار عشق میں چینی شاعروں کا کوئی ہم پلہ نہیں وہ دقیق سے دقیق نفسیاتی مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر جاتے ہیں۔ اس طرح کہ بیچارے ہندوستانی شاعر منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ مثلاً شین ٹانگ فنک کو لیجئے۔ لکھتا ہے :۔

کل میں نے خودکشی کرنے کی ٹھانی

میں نے زہر خریدا

میں سمندر کے کنارے پر گیا

میں نے اپنے کپڑوں پر پیٹرول ڈالا

میں زہر کی گولی کھا کر

اپنے کپڑوں کو آگ لگا کر

سمندر میں کود جانا چاہتا تھا

کہ معاً مجھے خیال آیا

کہ وہ مٹھائی جو تمھاری بہن نے تم کو بھیجی تھی

میرے مرنے کے بعد

تم اکیلی ہی کھا جاؤ گی

میں نے خودکشی کا خیال ترک کر دیا

اور سیدھا گھر چلا آیا

کیوں صاحب! دیکھا آپ نے چینی شاعری کا کمال! شاعر خودکشی پر آمادہ تھا۔ اس نے بیک وقت تین مختلف طریقوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مگر اچانک جب کہ وہ دنیا کی ہر چیز سے کنارہ کشی کر کے زہر کھا کر کپڑوں کو آگ لگا کر سمندر میں کود جانا چاہتا تھا۔ اسے ایک ایسی چیز یاد آئی جس نے اس کے دماغ میں عجیب ہیجان پیدا کر دیا۔

مٹھائی! اور اس پر یہ پریشان کن خیال کہ اس کی بیوی اسے اکیلی کھا جائے گی!

یہ ہے نفسیاتی شاعری۔

چینی شاعر انسانی دماغ کی عمیق گہرائیوں میں جس خوبی سے اتر سکتا ہے وہ صرف نفسیات کے ماہر ہی جان سکتے ہیں۔

اب صرف ایک اور بات آپ کو سمجھ لینی چاہیے۔ اور پھر آپ چینی شاعری کو مکمل طور پر سمجھ جائیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ چینی شاعر بعض دفعہ اپنے شعروں میں اور کئی دفعہ اپنی غزلوں میں ہندوستانی شاعروں کے تخیل کی ترجمانی کرتا ہے۔ مثلاً پو ہانگ لی ایک جگہ کہتا ہے:۔

اے میرے محبوب۔ تمھاری گلی میں آنا کس طرح چھوڑ دوں کیونکہ یہ تو ایک عمر بھر کی عادت ہو چکی ہے۔

اب آپ میں سے جنھوں نے کلام حالی کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ شعر حضرت حالی کے مشہور شعر ؎

چھٹتے چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا
عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

کا مماثل ہے۔ ایک اور جگہ یہی شاعر کہتا ہے:۔

صرف وہی شخص نیند کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ جس کے بازوؤں پر تمھاری زلفیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پریشان ہو جاتی ہیں۔"

اب یہ شعر آپ کو غالب کے مشہور شعر ۔

نیند اُس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

کی یاد دلاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پو ہانگ لی غالب کی شاعری سے نہایت متاثر ہوا ہے۔ کم بخت ٹانگ ٹانگ نے علامہ اقبال کی مشہور نظم " اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو " کا پورا ترجمہ کر ڈالا ہے۔ لکھتا ہے :۔

" کہ جس کھیت سے کاشتکار کو روٹی نہیں ملتی۔ اس کھیت کے ہر ایک خوشہ گندم کو جلا دو "

چین کا مشہور شاعر بھک بھک جو کہ شاعر ہونے کے علاوہ ظریف بھی ہے۔ اپنے ملک کے نوجوانوں کی مغرب پرستی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے :۔

" افسوس کہ چین کے نوجوان مغرب کے دلدادہ ہو گئے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ مغرب میں تمام برتن بلّور کے ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں سب چینی کے "

غور کیجئے۔ بھک بھک کا تخیل علامہ اقبال کے تخیل کے کس قدر نزدیک پرواز کر رہا ہے۔ جو بات بھک بھک نے آج کہی وہ ہندوستان کے شاعر نے بیس برس پہلے ہمارے ذہن نشین کرا دی ۔

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنٹر سب بلّوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

مگر اب زیادہ مثالیں دینے کا فائدہ ؟ آپ میرا مطلب تو سمجھ گئے ہیں۔ اور اگر نہیں سمجھے۔ تو آپ میری کتاب " چینی شاعری " جس کے ساتھ علامہ بھک بھک اور ان کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے بھائی علامہ بک بک کا بصیرت افروز دیباچہ شامل ہے، خرید کر پڑھیں آپ
کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ آپ کا دماغ چکرا جائے گا۔ اور آپ محسوس کریں گے کہ ہندوستانی
شاعری چینی شاعری کے سامنے اس طرح معلوم ہوتی ہے جس طرح ہندوستانی مٹی کا
پیالہ چینی پیالے کے سامنے۔ (وہ چینی کا پیالہ جو میں نے آل انڈیا نمائش سے خریدا تھا)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے آدمی

اصغر ان آدمیوں میں سے ہے جو بن پیئے بہک جاتے ہیں یعنی جن پر بیٹھے بیٹھے جنون طاری ہو جاتا ہے۔ اور جو واہی تباہی بکنا شروع کر دیتے ہیں میرے احباب کا خیال ہے کہ اس کے دماغ کی ایک آدھ چول ڈھیلی ہے میرا یقین ہے کہ اس کے دماغ کی تمام چولیں ڈھیلی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض دفعہ وہ عالم دیوانگی میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے کہ فرزانے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ مگر بیشتر اوقات اس کی گفتگو میں کوئی ربط نہیں ہوتا۔ ابھی کل کی بات ہے۔ جونہی وہ میرے کمرے میں داخل ہوا اس نے ایک بلند قہقہہ لگایا اور کرسی پر دراز ہو کر اپنے آپ سے اس طرح باتیں کرنے لگا۔

"مرنے سے پہلے میں کچھ عرصہ کے لئے بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں۔ میں ضرور بڑا آدمی ہو جاؤں گا [illegible] بڑا آدمی [illegible] چاہتے [illegible]

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سوشلسٹ اور ادیب کو بڑا آدمی بننے کا شوق کس طرح چرایا؟ اصغر نے دیوانہ وار چھت کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا" ادیب اور سوشلزم بہت اچھی چیزیں ہیں۔ مگر کبھی کبھی انسان ان سے بھی اُکتا جاتا ہے۔ تنگ دستی اور فاقہ مستی میں واقعی لذت ہے۔ مگر بڑا آدمی بننے میں اس سے بھی زیادہ مزا ہے"

میں نے سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا" تم مذاق تو نہیں کر رہے۔ تم بڑے آدمیوں سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے ہو"

اصغر نے شرارت آمیز ہنسی ہنستے ہوئے کہا" نہیں۔ آج سے میں بڑے آدمیوں کا مداح بن گیا ہوں۔ اور اس انقلاب کی وجہ ایک بڑا آدمی ہے جس کی تقریر میں ابھی ابھی سُن کر آیا ہوں"

میں نے حیران ہو کر پوچھا"وہ کون بڑا آدمی تھا جس پر تمھارے جیسا کافر ایمان لے آیا"

اصغر :۔ اُن کا نام نہیں بتاؤں گا۔ وہ چمڑے کے سب سے بڑے سوداگر ہیں۔ پبلک ہال میں اقبالؔ کی وفات کی تیسری برسی منائی جا رہی تھی۔ آپ اس مجلس کے صدر تھے۔ آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ آپ اقبالؔ کے عاشق ہیں۔ آپ نے اقبالؔ کی تمام تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ خاص کر" بانگِ قضا" کو آپ نے تین بار پڑھا ہے اور" ضرب کریم" تو ازبر ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں انھوں نے چند اشعار پڑھے جن میں سے دو یہ تھے :۔

موت کا ایک دن مقرر ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

:۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سنے جاتے نہ تھے تم سے میرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

جس وقت آپ نے یہ دو اشعار اقبالؔ سے منسوب کئے۔ میں اسی وقت ان کی لیاقت اور عظمت کا قائل ہو گیا۔ میں نے سوچا کتنا فرق ہے مجھ جیسے رذیل ادیب اور اس چمڑے کے سوداگر میں۔ اگر بالفرض محال مجھے اس مجلس کی صدارت سونپی جاتی تو مجھے کتنی کاوش کرنا پڑتی۔ اقبال کی تصنیفات کی ورق گردانی کرتا۔ اقبال کے کلام پر لکھے ہوئے مقالات پڑھتا اور اس کے باوجود جب میں شاعر مشرق کے متعلق کچھ کہنے کو کھڑا ہوتا تو ڈرتے اور جھجکتے ہوئے شاید ہی چند فقرات زبان پر لاتا۔ اور یہاں ہمارے بڑے آدمی کس شانِ بے نیازی سے فرما گئے کہ وہ اقبالؔ کے عاشق ہیں۔

میں ۔۔ غالباً ان کا مطلب تھا کہ وہ اقبالؔ کے دشمن ہیں۔ کیونکہ اگر اقبال کے چند اس قماش کے اور عشاق پیدا ہو جائیں تو شاید علامہ کو قبر میں چین سے سونا دوبھر ہو جائے۔"

اصغر نے نہایت سنجیدگی سے کہا "یہ بڑے آدمیوں کی سراسر توہین ہے کیونکہ بڑے آدمی نہ ہوں تو ہماری کوئی مجلس منعقد ہی نہ ہو سکے۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ اگر تمھارے جیسے نااہل کو کسی ادبی مجلس کا صدر بنایا جائے تو کتنے آدمی ہال کے اندر تشریف لائیں۔"

میں نے ہنس کر کہا "میرا خیال ہے سوائے تمھارے اور کوئی نہ آتے۔"

اصغر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "بس یہی امر بڑے آدمیوں کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ پچھلے سال بنگال سے ایک بہت بڑے سائنس دان لاہور تشریف لائے۔ ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد کی گئی جس کے صدر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک جج بنائے گئے۔ صاحبِ صدر نے معزز مہمان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ اگرچہ وہ علم قانون کے طالب علم ہیں تاہم انھیں سائنس سے شغف ہے اور گو وہ سائنس کے متعلق بہت سی باتیں جو انھوں نے سکول میں پڑھی تھیں بھول چکے ہیں تاہم انھیں یاد ہے کہ پانی کن گیسوں سے مل کر بنتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد انھوں نے انکشاف کیا کہ اگر دو حصّے نائٹروجن اور ایک حصّہ ہائیڈروجن کو ملا دیا جائے تو پانی تیار ہو جاتا ہے سامعین میں سے کسی گستاخ لڑکے نے پکار کر کہا "آپ کا مطلب ہے۔ دو حصّے ہائیڈروجن اور ایک حصّہ آکسیجن"۔ مگر صاحبِ صدر اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ اور کہنے لگے "آپ مجھے اتنا سادہ لوح نہ سمجھیں۔ کم از کم مجھے واٹر (WATER) کا فارمولا تو یاد ہے"۔

میں نے ہنسی روکتے ہوئے کہا "تو تم اِس قسم کی باتیں بنانے کے لئے بڑا آدمی بننا چاہتے ہو؟"

اصغر نے کہا "نہیں، اور بھی بہت سی باتیں ہیں"۔

میں نے پوچھا "مثلاً"۔

اصغر:۔ یہ کہ بڑے آدمی کو سوائے دو باتوں کے اور کسی قسم کا فکر نہیں ہوتا۔ اوّل یہ کہ اُس نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اُس کے کتّے نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے؟ کیونکہ اس کے خیال میں دنیا میں صرف دو جاندار بستے ہیں۔ وہ اور اس کا کتا۔ اِس کے علاوہ بڑے آدمیوں میں یہ خوبی ہے کہ وہ دماغ کے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں کیونکہ نہ انھیں کچھ سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی وہ کچھ سوچنا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس سوچنے کے لئے متعدد "دماغی قلی" ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ان کے لئے مضمون لکھتا ہے۔ کوئی ان کی تقریر تیار کرتا ہے۔ اور کوئی انھیں جھنڈے کی تاریخ ہفتے کا دن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان کے احباب کے فون نمبر۔ ان کے لڑکے لڑکیوں کی عمر بتانے کو مستعد رہتا ہے۔ بڑے آدمیوں کو علم و ادب سے چنداں سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی بلا سے ادیب مریں یا جئیں۔ کیونکہ ان کی حیات اور ممات اُن کے لئے یکساں ہے۔

یلیں:۔ تم زیادتی کر رہے ہو۔ بڑے آدمی ہی تو ہیں جو ادب کی سرپرستی کرتے ہیں، رسائل خریدتے ہیں، نئی کتابیں پڑھتے ہیں۔ اور جن کے ہاں لائبریریاں ہوتی ہیں۔

اصغر:۔ بڑے آدمی رسائل خریدتے ہیں مگر پڑھنے کے لئے نہیں۔ بلکہ انھیں میز کے اوپر یا نیچے پھینکنے کے لئے۔ کتابیں خریدتے ہیں تصاویر دیکھنے کے لئے اور لائبریریاں بناتے ہیں نمائش کے لئے ان کی ادبی واقفیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی کتاب سرورق سے آگے کھول کر نہیں دیکھی۔ اور بیشتر کتب اُن کی لائبریری میں ایسی بھی ملتی ہیں جن کے انھوں نے اوراق تک نہیں کاٹے۔ اب رہی ان کی آرٹ کی سرپرستی۔ جہاں تک شاعری، موسیقی، تصویر کشی یا سنگ تراشی کا تعلق ہے بڑے آدمی ان چاروں سے تقریباً کورے ہوتے ہیں۔ ہاں انھیں اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ آرٹ کو نہیں سمجھتے لیکن وہ آرٹسٹوں کو جانتے ہیں۔ انھیں بے شک یہ پتہ نہ ہو کہ مالکونس دن کے وقت گایا جاتا ہے یا رات کو مگر وہ بائی وحیدن یا مس زہرہ جان کو ضرور جانتے ہوں گے۔ وہ چاہے یہ نہ جانتے ہوں کہ کتھا کلی کس "ناچ" کا نام ہے مگر وہ اودے شنکر سے ضرور روشناس ہوں گے کیونکہ پچھلی دفعہ جب بائی وحیدن ان کے شہر میں آئی تھی۔ تو انھوں نے اسے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یا جس وقت اودے شنکر کا کسی تھیٹر میں ناچ ہوا تھا تو وہ اگلی نشست پر بیٹھے تھے۔ تصویر کشی وہ اتنی سمجھتے ہیں کہ ہر وہ تصویر جس میں کوئی خوبصورت عورت مسکرا رہی ہے تصویر کہلانے کے قابل ہے، باقی سب بکواس ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملیں :۔ تم تو آج بڑے آدمیوں کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑے ہو۔ میں سمجھتا ہوں تم مبالغہ آمیزی اور دروغ گوئی سے کام لے رہے ہو؟

اصغر :۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ بڑے آدمیوں کی تقریباً ہر بات رسمی اور غیر قدرتی کیوں ہوتی ہے۔ ان کی ملاقاتیں، ان کے آداب و اخلاق، محبت کرنے کے طریقے۔ ان کا کسی چیز کی تعریف کرنے کا ڈھنگ، سب تصنع اور بناوٹ سے کیوں پُر ہوتے ہیں۔ اگر وہ کسی سے اظہارِ محبت کرتے ہیں تو لفظ "خوبصورت" کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں انہیں ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی "میں کہتا ہوں مجھے تمہاری خوبصورت آنکھوں کی قسم۔ تمہارے خوبصورت ٹخنوں کی قسم۔ تمہاری خوبصورت کہنی کی قسم" اگر وہ کسی فلم کی تعریف کرتے ہیں تو ان کی تنقید کچھ اس قسم کی ہوتی ہے "میرے خیال میں یہ فلم نہایت شاندار ہے۔ اس سے پہلے میں نے ایک فلم دیکھی تھی۔ وہ بھی نہایت شاندار تھی۔ ایک اور فلم آرہی ہے۔ وہ بھی نہایت شاندار ہوگی" اُن کے خیال میں ہر ایک ناول "نہایت دلچسپ" ہوتا ہے۔ ہر ایک ایکٹرس "غضب" کرتی ہے۔

ملیں :۔ بس یہی۔ یا ابھی کچھ اور باقی ہے۔

اصغر :۔ صرف ایک بات۔ اور وہ یہ کہ بڑے آدمیوں کو دوسرے کے اخلاق بگڑنے کا ہمیشہ کیوں خدشہ لگا رہتا ہے؛ خصوصاً نوجوانوں کے اخلاق کا۔ وہ نوجوانوں کو ناول نہیں پڑھنے دیتے۔ کیونکہ اس سے ان کے اخلاق بگڑنے کا سخت اندیشہ ہے۔ کسی نوجوان لڑکے کو کسی نوجوان لڑکی سے کھُل کر بات نہیں کرنے دیتے۔ کیونکہ ان دونوں کے چال چلن بگڑنے کا خدشہ ہے۔ اگر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو ساری عمر اسے معاف نہیں کرتے۔ اور خود تین چھوڑ کر چار چار شادیاں کرتے ہیں۔ محلّے کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہر غریب آدمی کی خوبصورت عورت پر آنکھ رکھتے ہیں۔ اپنی لڑکی کو کھلی اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمسائے کے لڑکے سے راز و نیاز بڑھائے۔ اس کے ساتھ ٹینس کھیلے۔ سیر کو جائے اپنی عورت کو منع نہیں کرتے کہ وہ کیوں اغیار کے ساتھ سینما یا ناچ گھر جاتی ہے۔ اور خود اغیار کی عورتوں کے ساتھ سینما یا ناچ گھر جانے میں تامل نہیں کرتے۔ ٹی پارٹیوں میں نوجوان لڑکیوں کو اپنے پہلو میں بٹھا کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ خوبصورت لڑکیوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر چلتے ہیں۔ جھوٹ موٹ بیمار پڑ کر خوبصورت نرسوں سے سارا دن چہکتے ہیں، اور......

میں:۔ بکواس بند کرو۔ ورنہ مجھے پاگل خانے کے سپرنٹنڈنٹ کو فون کرنا پڑے گا۔

اصغر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُف مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ بھی بڑے آدمی ہیں۔ معاف کیجئے گا سخت غلطی ہوئی۔

میں نے کہا بڑا اور چھوٹا اضافی اصطلاحیں ہیں۔ ممکن ہے کہ ہزاروں لوگ تم سے بڑے ہوں۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ہزاروں لوگوں سے تم بڑے ہو۔ اس لئے بڑے آدمیوں کی شان میں جو ہرزہ سرائی تم نے کی ہے وہ تم پر بھی عائد ہو سکتی ہے۔

اصغر:۔ میں بڑا آدمی؟ ناممکن! جس شخص کو ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا اُسے اپنے آپ کو بڑا آدمی کہنے کا کوئی حق نہیں۔

میں:۔ درست اور بجا مگر ایسے شخص کو بڑے آدمیوں کو گالیاں دینے کا کیا حق ہے؟

اصغر:۔ یہی کہ وہ خود بڑا آدمی نہیں!

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انتساب

میرے دوست مسٹر کرشن چندر نے اپنی نئی کتاب "ہوائی قلعے" کا انتساب ان عجیب الفاظ میں کیا ہے "اُس دیوانے کتے کے نام جس نے مجھے متھرا میں کاٹ کھایا" جہاں تک میرا خیال ہے، انتساب اس شخص سے کیا جاتا ہے جس سے مصنف کو عقیدت ہو۔ مثلاً رشتے دار، احباب وغیرہ۔ کرشن چندر نے دیوانے کتے سے اپنی کتاب منسوب کر کے نہ صرف مجھے بلکہ اپنے کئی اور دوستوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ایک ذی عقل کتے سے محبت اور عقیدت ہو سکتی ہے، مگر دیوانے کتے سے راہ و رسم بڑھاتے ہوئے میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ سوچتا ہوں کہ شاید یہ انتساب کرشن چندر کو ان دنوں سوجھا ہوگا جبکہ دیوانے کتے نے ابھی ابھی انھیں کاٹا تھا۔ اور وہ اس قسم کے شعر گنگنایا کرتے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ مزہ دیا تڑپنے کہ جی چاہتا ہے یارب
میرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

یا شاید اس انتساب کی تہ میں کوئی اور راز پوشیدہ ہے کیونکہ اُن کے مضمون "مجھے کتے نے کاٹا" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دفعہ جب انھیں ایک دیوانے کتے نے لاہور میں کاٹا تھا تو انھیں میو ہسپتال میں ٹیکہ لگوانے کے دوران میں ایک شوخ اور چلبلی اینگلو انڈین نرس سے جان پہچان بڑھانے کا موقع ملا تھا۔ اور شاید یہی بات اس دفعہ بھی ہو۔ ورنہ ایک دیوانے کتے کا اتنے پرجوش طریقہ سے شکریہ ادا کرنے کا کیا مطلب۔ مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر یہ بات دیوانے کتوں کے گوش گذار ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک اس امید پر کہ کرشن چندر اپنی نئی کتاب کا انتساب اس کے نام کریں گے، اُن کو کاٹنے کے لئے دوڑے گا۔ اور عین اغلب ہے کہ آئندہ جب وہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے باہر تشریف لائیں تو اُن کی پیش قدمی کے لئے باہر دیوانے کتوں کا ایک ہجوم کھڑا ہو اور آپ کو متعدد کتب اُن "دیوانوں" کے نام منسوب کرنی پڑیں جنھوں نے آپ کو لاہور، لکھنؤ اور بمبئی میں کاٹ کھایا۔ مگر اس انتساب کی ایک اور شرح بھی کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ کرشن چندر کو دیوانے آدمیوں اور دیوانے کتوں سے ایک گونہ محبت ہے۔ اپنے دلچسپ مضمون "دو فرلانگ لمبی سڑک" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "کبھی اس کی سطح پر چلتے چلتے میں پاگل سا ہو جاتا ہوں کہ اسی دم کپڑے پھاڑ کر ننگا سڑک پر ناچنے لگوں اور چلا چلا کر کہوں میں انسان نہیں ہوں، میں پاگل ہوں، مجھے انسانوں سے نفرت ہے۔ مجھے پاگل خانے کی غلامی بخش دو۔ میں ان سڑکوں کی آزادی نہیں چاہتا۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور "مجھے کتے نے کاٹا" میں فرماتے ہیں :-

"خود اپنی زندگی کے ایسے لمحات گن سکتا ہوں جب میں نے اپنے آپ کو بالکل پاگل تصور کیا ہے۔"

دیوانگی کی خواہش صرف کرشن چندر ہی پر موقوف نہیں۔ غالب مرحوم نے کئی جگہ اس جذبہ کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً :-

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

مگر اس ساری منطق کے باوجود ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔ اور انھوں نے یہ انتساب اس لئے کیا ہو کہ اس میں اچھوتا پن ہے۔ بیچارے ادبا کی مجبوریاں، لاچاریاں ــــ آج کل ہر ایک آدمی اُن سے توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ ہر چیز میں اجنبیت، رومانیت اور شعریت پیدا کریں۔ چنانچہ جو ادیب اپنی کتاب کا انتساب سیدھے سادہ الفاظ میں کرتا ہے اس کو متفقہ رائے سے دقیانوس، تنگ نظر اور ضعیف الاعتقاد قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ادیب نے اپنے افسانوں کے مجموعے کا انتساب اس طرح کیا ہے :-

"والدہ ماجدہ کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت"، تو ہماری مایوسی، غم اور غصے کی انتہا تک جا پہنچتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں عشقیہ افسانوں کو پیش کرنا ناقابلِ تلافی گناہ ہے بلکہ اس لئے کہ ہم اس ادیب سے اس سے بہتر انتساب کی امید رکھتے تھے۔ ہمیں اس شخص کی سادہ لوحی پر بے حد ہنسی آتی ہے کہ اپنے افسانوں میں اس نے اظہارِ عشق تو زہرہ، بلقیس، اور بتول سے کیا اور جب انتساب کرنے کا وقت آیا تو وہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان سب کو فراموش کر کے والدہ ماجدہ کی محبت کا دم بھرنے لگا۔ اور ہم سوچنے لگتے ہیں کہ اس نے والدہ ماجدہ کی مسرت پر ہماری امیدوں کو قربان کر دیا۔

اسی طرح ایک اور افسانہ نویس نے اپنی پہلی کتاب اپنے مرحوم والدین کے نام منسوب کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مرحوم ماں باپ کو اس انتساب سے کوئی مسرت نہیں ہو سکتی۔ وہ تو خوشی اور غم کے جذبات سے بالاتر ہیں۔ اور نہ ہی ایسا انتساب ہماری مسرت کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ یہ عامیانہ ہے۔ پھر اس قسم کے جذباتی انتساب کیوں نہ ترک کئے جائیں اور کیوں نہ اس قسم کی قرارداد پاس کی جائے کہ جب تک مصنف کے زندہ دوست اور رشتے دار موجود ہیں وہ انتساب کے معاملے میں قبرستان کا رخ نہیں کرے گا۔

مگر غیر عامیانہ کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے انتساب کئے جائیں جن کا سر ہو نہ پیر۔ بعض ادبا "ٹیگوریت" سے متاثر ہو کر نہایت مضحکہ خیز انتساب ایجاد کرتے ہیں مثلاً "اس بادل کے نام جو گرجتا اور برستا ہوا میری چھت پر سے گذرا اور نہ معلوم کدھر چلا گیا" یا "چاندنی کی ان سنہری کرنوں کے نام جن کا وہ پہلی عکس مجھے اکثر مبہوت بنا دیتا ہے" یا ان ستاروں کے نام یا ستاروں سے آگے جو جہاں اور بھی ہیں اور جن کا ذکر علامہ اقبال نے ایک شعر میں کیا ہے ان سب کے نام"

بعض مصنف مہمل قسم کے انتساب رائج کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کا انتساب کسی حالت میں معمہ یا پہیلی سے کم نہیں ہوتا مثلاً "ل" کے نام۔ اب پڑھنے والا سارا دن سر دردی کرتا ہے کہ یہ حضرت "ل" کون ہیں۔ شاید یہ لطیف احمد ہیں یا للت کمار۔ لاڈو رانی ہیں۔ یا لاڈلی بیگم اور ادھر عین ممکن ہے کہ آنجناب کا "ل" سے مطلب اپنا پالتو "لنگور" ہی ہو۔ کئی حضرات ان سے بھی ایک قدم آگے جاتے ہیں۔ وہ "ل" تک کا حرف بھی نہیں لکھتے بلکہ صرف اس پر اکتفا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرتے ہیں "ان کے نام" اب اس قسم کا اسم ضمیر کئی پڑھنے والوں کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ تمام بنی نوع آدم کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے کیا معلوم کہ آپ کا روئے سخن کس طرف ہے؟

اگر یہی حال رہا — تو عین ممکن ہے کہ آنے والے زمانے میں اس طرح کے انتساب مروج ہو جائیں۔

(۱) انتساب

(بھلا بوجھئے کس کے نام)

(نوٹ) صحیح نام بتانے والے کو اس کتاب

کی ایک جلد بلاقیمت پیش کی جائے گی۔

(۲) انتساب

(یہ نہیں بتاؤں گا کس کے نام)

اور نیچے باریک قلم میں

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

(۳) انتساب

؟ ؟ ؟

! ! !

بعض شعرا اپنی کتاب کے پہلے متعدد صفحات صرف انتساب کے لئے مخصوص کرتے ہیں مثلاً پہلے صفحے پر آپ یہ پڑھتے ہیں:۔ "اعلیٰحضرت جناب نواب اسد اللہ خاں صاحب نواب کمدوٹ کے نام جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا تمام خرچ اپنے ذمہ لیا۔ دوسرے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

صفحہ پر افسر الشعرا حضرت خود سر انبالوی کے نام جنھوں نے میرے ناکارہ تخیل کی وقتاً فوقتاً اصلاح فرمائی۔ تیسرے صفحہ پر رائے صاحب منشی مہتاب سنگھ کے نام جنھوں نے اس کتاب کا سرورق اپنے پریس میں مفت چھاپا۔ علیٰ ہذالقیاس آپ پندرھویں صفحے پر یہ پڑھتے ہیں "علی محمد جلد ساز کے نام جنھوں نے اس کتاب کی جلد سازی کی۔" اس لمبے چوڑے انتساب کے بعد تمہید۔ پیش لفظ۔ دیباچہ، شکریہ وغیرہ اوراس کے بعد جو چند صفحات بچ جائیں ان پر چند عامیانہ رنگ کی غزلیں یا نظمیں۔

ایسی کتب پڑھ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ صرف انتساب کی خاطر لکھی گئی ہیں سب سے اچھا انتساب وہ ہے جو بے ساختہ ہو۔ انگلستان کے مشہور مزاح نگار مسٹر وڈ ہاؤس نے اپنے ایک ناول کا جس کا نام "مرغی خانے میں محبت" ہے، انتساب اس طرح کیا ہے۔

ٹاؤن اینڈ کے نام

پیارے دوست۔ میں اس قسم کے رسمی انتساب کے سخت خلاف ہوں جس میں یہ کہا جاتا ہے "فلاں دوست کے نام جس کی ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے بغیر یہ کتاب کبھی معرض وجود میں نہ آتی" میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کا انتساب مصنف کی کم ہمتی اور بزدلی پر دلالت کرتا ہے۔ میں صاف صاف کہوں گا کہ میں نے انتساب کرتے وقت تمھارا نام اس لئے منتخب کیا کیونکہ تم ہی نے مجھے اس ناول کا پلاٹ بتایا تھا۔ تمھارا وڈ ہاؤس

بعض ادبا انتساب تجویز کرتے وقت یہ دقت محسوس کرتے ہیں کہ اپنے متعدد احباب میں سے کس کے نام انتساب کیا جائے۔ میرے خیال میں اس سوال کا حل یہ ہوگا کہ کتاب کے صفحات کو اپنے دوستوں کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے اور جو جواب آئے اتنے صفحے ہر ایک دوست کے نام منسوب کئے جائیں مثلاً ایک سے پچیس صفحہ تک افضل کے نام، چھبیس سے پچاس تک اختر کے نام اور باقی ادیب کے نام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نام

(کرشن چندر۔ جناب امتیاز علی۔ تاج۔ ایم۔ اسلم سے معذرت کے ساتھ)

میرے دوست کرشن چندر کا قول ہے کہ کتاب لکھنے کی نسبت کتاب کا نام تجویز کرنا زیادہ مشکل ہے۔ ایک عرصہ تک مجھے اس قول کی صداقت کے متعلق شک رہا لیکن جب گزشتہ ہفتہ مجھے ایک کتاب کا نام تجویز کرنے کی ناگہانی مصیبت پیش آئی تو مجھے اپنے دوست پر ایمان لاتے ہی بنی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک کتاب کے لئے جتنے خوبصورت نام تجویز ہو سکتے ہیں وہ تو متقدمین نے پہلے ہی اپنا لئے ہیں۔ "کہکشاں" "کارواں" "کوثر" "نرگس" اور "شعلے" سب کے سب بہت مدت سے کسی نہ کسی سرورق کی زینت بن چکے ہیں۔ اب صرف "جہنم" "دھواں" اور "چنبیلی" متاخرین کے لئے باقی رہ گئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آج کل اچھے ناموں کی نہ صرف کمی ہے بلکہ ایک اچھا خاصا قحط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین نے یہ سازش کر رکھی تھی کہ کوئی اچھا نام ان کی زد سے نہ بچے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

منشی پریم چند ہی کو لیجئے۔ اُن کے ہر ایک ناول کے نام میں وہ مقناطیسی کشش ہے کہ انسان ان کی طرف راغب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "چوگانِ ہستی" "فردوسِ خیال" جیسے نام ایک خوبصورت شعر کی طرح پڑھنے والے کے دل میں بے ساختہ اُتر جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کی تقریباً ہر تصنیف کے نام میں وہ جاذبیت ہے کہ ہمیں بے اختیار اُن کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ "بالِ جبریل" اور "ضربِ کلیم" جیسے ناموں میں ایک نغمے کی شیرینی اور متعدد تلواروں کی جھنکار پوشیدہ ہے۔ اب ان کے مقابلے میں ہمارے زندہ شاعروں کی کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیے۔ "زیروزبر" "صبح و شام" "سیاہ و سفید" "این و آں" "شیر و شکر" شاید انہی ناموں کے پھیکے پن کو دیکھ کر میرے دوست زیندرناتھ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے کے شعرا اگر بجائے ایسے نام ایجاد کرنے کے پرانے ناموں کو تھوڑے بہت تصرف کے ساتھ استعمال کریں تو مناسب ہو گا۔ مثلاً "بالِ جبریل" کی طرز پر "بالِ عزرائیل" یا "بالِ اسرافیل" یا "بالِ ابابیل" وغیرہ۔ مجھے ان کی اس تجویز سے کلیتاً اتفاق ہے۔ مثلاً حجاب امتیاز علی کے افسانوں کا نام "صنوبر کے سائے" مجھے بہت پسند ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ میں نے آج تک صنوبر کا درخت نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی اس کے سائے میں بیٹھا ہوں۔ اب اگر کوئی صاحب اپنی کتاب کا نام "کیکر کے سائے" تجویز کریں تو مجھے از حد مسرت ہو گی۔ کیونکہ پنجاب میں کیکر بکثرت ہوتا ہے۔ اور ہم میں سے تقریباً ہر ایک کو اس کے سائے میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس جدت کا یہ بھی فائدہ ہو گا کہ ہر ایک نام کا ایک سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ مثلاً کیکر کے سائے کے بعد "شیشم کے سائے" اور پھر "شہتوت کے سائے" اور پھر "انار کے سائے"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو شخص صنوبر کے سائے کا مطالعہ کرے گا۔ یقیناً اس کی خواہش ہو گی کہ اب چنار کے سائے پڑھوں۔ اگر اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کسی بات کے لئے نہیں۔ تو صرف اس امر کے لئے کہ ان دونوں درختوں میں کس کی چھاؤں زیادہ میٹھی اور گھنی ہے۔ نیز مصنفوں کو اپنی نئی کتابوں کے نام تلاش کرنے میں سہولت ہو جائے گی۔ مثلاً کرشن چندر صاحب "طلسمِ خیال" کے بعد "پروازِ خیال" "نیرنگِ خیال" "سمندِ خیال" جیسے ناموں کے ماتحت اپنے تمام افسانوں کے مجموعے شائع کر سکتے ہیں۔ اور "نظارے" کے بعد "شرارے" "شرارے" کے بعد "غبارے" اور "غبارے" کے بعد "طیارے" نہایت آسانی کے ساتھ معرضِ وجود میں لا سکتے ہیں۔

آپ کچھ ہی کہیں کسی کتاب کے لئے آج کل ایک اچھا نام صرف اتفاق سے رکھا جا سکتا ہے۔ جیسے سعادت حسن منٹو نے اپنے ڈراموں کا نام "آؤ" رکھ دیا ہے۔ اپنے ڈراموں کے مجموعے کا نام "آؤ" رکھ کر منٹو نے نہ صرف انتہائی جرأت سے کام لیا ہے بلکہ ہر ایک مصنف کو نام تجویز کرنے کا ایک نہایت سہل طریقہ بتایا ہے۔ بے شک اب اچھے ناموں کی کمی ہے۔ مگر ابھی اردو زبان میں مصادر کی کمی نہیں۔ اور پھر ہر ایک مصدر سے فعلِ امر بنانا چنداں مشکل نہیں۔ چنانچہ انھوں نے "آنا" مصدر سے فعل امر بناتے ہوئے "آؤ" سے ابتدا کی ہے۔ اب آپ اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے "جاؤ" "گاؤ" "کھاؤ" "اُٹھو" "دوڑو" "بھاگو" وغیرہ متعدد نام سوچ سکتے ہیں۔ ان ناموں میں جہاں سادگی ہے وہاں دعوتِ عمل بھی ہے۔ مثلاً پڑھنے والا جب "بھاگو" جیسی کتاب کا سرورق پڑھے گا تو کم از کم مصنف کی ایک بات پر تو عمل کرے گا یعنی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے گا۔

دوسرے اس قسم کے نام میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ "ہوائی قلعے" کا سرورق پڑھ کر کوئی شخص غلطی سے یہ سمجھے کہ شاید اس کتاب میں ہوائی جنگ کے متعلق کچھ ہدایات دی گئی ہیں یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ "ہوا میں" کس طرح قلعے بنانے چاہئیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور کس طرح دشمن کو زغمے میں لانا چاہیئے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی سحر فرانس کو
جادو یا طلسم کی کتاب تصور کرے۔ مگر "آو" کا مطلب سوائے "آو" کے اور کیا ہو سکتا ہے؟
اس کے بعد بھی اگر آپ کو "آو" جیسا نام ناپسند ہو تو آپ کم از کم اس بات کا اعتراف
تو کریں گے کہ "آو" ایم اسلم کے "نمستے علیکم" سے بدرجہا اچھا نام ہے۔ "آو" جتنا مختصر
ہے "نمستے علیکم" اتنا ہی بے ڈھب ہے۔ "آو" میں اچھوتاپن نہ سہی مگر اختصار تو ہے۔ "نمستے
علیکم" میں ہندو مسلم اتحاد ہو تو ہو مگر ترنم اور اختصار نہیں۔

شاید "نمستے علیکم" کو دیکھ کر میرے دوست مہندرناتھ نے کہا تھا کہ اس سے بہتر
تو یہ ہوتا کہ اسلم صاحب اس کتاب کا نام "مسجد مندر" رکھ دیتے۔ کیونکہ اس نام میں
"شیخ و برہمن" زیادہ موزوں رہتا۔ میرے دوست مہندرناتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہمارے مصنف
انگریزی مصنفوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ناولوں کے نام اردو کے اچھے شعروں
اور مصرعوں سے اخذ کریں۔ تو یہ جدت خوب رہے۔ مثلاً ٹامس ہارڈی نے اپنے ایک ناول
کا نام Under the Greenwood Tree رکھا ہے اور یہ مصرع
شیکسپیئر کے ایک مشہور گیت کا حصہ ہے۔ اسی طرح ہارڈی کے ایک اور ناول کا نام (Far
from the madding Crowd) ہے۔ اور یہ مصرع ٹامس گرے کی ایک
المیہ نظم سے لیا گیا ہے۔ میرے دوست کا خیال ہے کہ اردو ناول نویسوں کو بھی اب اسی
طرح کے نام رکھنے چاہئیں۔ مثلاً عشق و محبت کی داستانوں کے نام کچھ اس قسم کے
ہوں "عشق پر زور نہیں ۔ ۔ ۔ عشق نے غالب نکما کر دیا ۔ ۔ ۔" "دل سے تری نگاہ جگر
تک اتر گئی"۔ "جہاں ریحانہ رہتی تھی"۔ اور رنج و غم کے افسانوں کے نام اس طرح ہوں "ہم
نہ سہی پر آجائیں تو"۔ "کچھ غم زدہ کو نیند نہ آئی تمام رات"۔ "بیٹھتے بیٹھتے ہی تھمیں گے آنسو"۔ وغیرہ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وغیرہ"

چنانچہ میں نے ان کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اپنے ایک دوست کی کتاب کا یہ نام تجویز کیا ہے "شرم تم کو مگر نہیں آتی" یہ مصرع جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت غالب کی ایک غزل سے لیا گیا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس مصرع کی معنوی اور صوری خوبیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے میری جدّت کی داد دیں گے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رُومان کی تلاش

یہ سب رومانی افسانوں اور ناولوں کا قصور تھا۔ اگر وہ انھیں نہ پڑھتا۔ تو شاید وہ اس وہم میں مبتلا نہ ہوتا مگر اب تو چوبیس گھنٹے اُس کے سر پر یہ خیال سوار رہنے لگا تھا کہ دنیا میں رومان کا فقدان نہیں ہوا اور اگر وہ کوشش کرے تو اس کی زندگی رنگین اور پُرلطف بن سکتی ہے۔ رومانی افسانے پڑھ پڑھ کر اُسے یقین آچلا تھا کہ رومان کسی خاص آدمی یا کسی خاص جگہ کے لئے مخصوص نہیں۔ افریقہ کے ریگستان سے لے کر کشمیر کی وادی تک ہر ایک جگہ رومان سے پُر ہے۔ گاؤں میں اگر حسین چرواہیاں ہیں تو شہروں میں حسین تیتریاں اور وادیوں میں سلمیٰ اور ریحانہ اُس کا انتظار کر رہی ہیں۔

وہ اِن خیالات کے زیرِ اثر گھر سے رومان کی تلاش میں نکل پڑا۔ وہ خود چھریرے بدن کا خوب صورت نوجوان تھا۔ ایم۔ اے تک تعلیم تھی۔ اور اس وقت آل انڈیا ریڈیو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں ایک سو پچیس روپیہ ماہوار پر ملازم تھا۔

ایک ماہ کی چھٹی لے کر جب وہ سرینگر کو جانے والی لاری میں سوار ہوا۔ تو اس کا دل خلافِ معمول زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اُس نے لاری میں اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ لاری کے ایک کونے میں اُسے ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ جس نے دھانی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور جس کے دلآویز خد و خال اُسے کسی حسین رقاصہ کی یاد دلا رہے تھے۔ لڑکی کے ہمراہ ایک نہایت بدشکل آدمی تھا۔ اُس کا نوکر یا خاوند۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ظاہر تھا کہ اس بدشکل آدمی کے مقابلے میں وہ بدرجہا خوبصورت تھا۔ اور اگر وہ لڑکی بالکل بیوقوف نہ تھی تو وہ ضرور ہی اُس کو اپنے آدمی پر ترجیح دے گی۔ اس نے لڑکی کی طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔ لڑکی نے گھبرا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ چند لمحوں کے بعد جب اس نے اس طرف منہ کیا تو اس نے مسکرا کر پھر لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ جب لڑکی نے سر اٹھایا۔ تو اس نے اپنی نگاہیں ایک بار پھر اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس دفعہ نہ جانے لڑکی کو کیا خیال آیا اس نے نہایت خشم آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر اس نے آنکھیں نیچے کر لیں۔ اس کے بعد اس کی ہمت نہ ہوئی۔ کہ وہ لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ اس طرح اس کا پہلا وار خالی گیا۔ مگر اسے چنداں مایوسی نہ ہوئی۔ غالباً یہ لڑکی اُن جاہل عورتوں میں سے تھی جو فطرتاً غیر رومانی واقع ہوتی ہیں۔ جو اپنے بدصورت اور غریب خاوند کو دیوتا سے کم نہیں سمجھتیں اور جو اس سے کسی حالت میں بھی چھٹکارا حاصل کرنا نہیں چاہتیں۔

لاری پوری رفتار سے جموں کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ جموں کے بعد لاری نے کشمیر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی حدود میں داخل ہوتا تھا۔ کشمیر کا خیال اس کے دل میں رہ رہ کر گدگدی پیدا کر رہا تھا۔

کشمیر یعنی زمین پر جنت کا دوسرا نام۔ خوبصورت کشمیری لڑکیاں۔ دودھ کی طرح سفید رنگت، سیب کے مانند گال، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں۔ اسے وہ تمام قصے یاد آ گئے جو اس نے کتابوں میں پڑھے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ راستے میں ضرور کسی ڈاک بنگلے میں رات گزاروں گا۔

چنانچہ بانہال کے مقام پر وہ ڈاک بنگلے میں ٹھہرا۔ رات کے ۱۱ بجے اس نے بیرے کو آواز دی ”بیرا!“ اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا ”دیکھو۔ ہمارے لئے ایک خوبصورت کشمیری لڑکی لے آؤ۔“

”خوبصورت کشمیری لڑکی؟“ بیرے نے حیران ہو کر کہا ”میں کہاں سے لاؤں حضور؟“

”یہیں گرد و نواح سے میرا مطلب ہے۔ کسی گاؤں سے؟“

”مگر کس طرح؟“

”یہی روپے کا لالچ۔ دے کر دس روپیہ، پندرہ روپیہ، پچیس روپیہ تک؟“

”مگر صاحب روپے کے لالچ پر یہاں کون آنے پر تیار ہو گا؟“

”ارے ہزاروں غریب عورتیں جنہیں روپے کی ضرورت ہے؟“

”آپ غلطی پر ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ اتنے بے غیرت نہیں کہ اپنی بہو بیٹیاں روپے کے لالچ کی خاطر آپ کے پاس بھیج دیں۔ اگر انھیں پتہ چل جائے کہ آپ اس قسم کے آدمی ہیں۔ تو آپ کو زندہ نہ چھوڑیں اور مجھے بھی۔“

”یہ بات ہے۔“ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا اور پھر ایک خشک ہنسی ہنس کر ”میں تو مذاق کر رہا تھا۔ مجھے سب معلوم ہے۔“

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سرینگر پہنچ کر اُس نے ایک اچھا سا ہاؤس بوٹ کرائے پر لیا۔ اور دوسرے دن وہ ان کی تلاش میں چل پڑا۔ شیراں کدال کے پاس اُس نے تین خوبصورت لڑکیوں کو شکارا کرائے پر لیتے ہوئے دیکھا معاً اس کے دل نے اسے ترغیب دی۔ کہ وہ بھی شکارے پر بیٹھ کر ان کے تعاقب میں جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب اس کا شکارا لڑکیوں کے شکارے کے بالکل قریب پہنچا۔ تو اس نے ایک رومانی گیت ہلکے ہلکے سروں میں گانا شروع کیا۔ اس کی آواز سُن کر تینوں لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور اس کی نقلیں اتارنے لگیں۔ ان میں سے ایک تکیہ کے سہارے بالکل اسی طرح بیٹھ گئی۔ جس طرح وہ بیٹھا تھا باقی دو کچھ اس طرح کے فقرے چست کرنے لگیں "واہ کیا گلا پایا ہے۔ اُف کتنا سوز ہے گلے میں!"

اس نے گانا بند کر دیا۔ اور لڑکیوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ اس پر اُن میں سے ایک پکار اُٹھی "واہ واہ آپ مسمریزم بھی جانتے ہیں" یہ فقرہ سُن کر وہ جھینپ سا گیا اور شکارے والے کو کہنے لگا کہ نہایت تیزی سے شکارے کو آگے لیجائیے۔"

دوسرے دن شام کے وقت وہ ایک بوڑھے ملاح کے شکارے میں بیٹھ کر ڈل لیک کی جانب گیا۔ راستے میں اُس نے ڈرتے ڈرتے بوڑھے میاں سے پوچھا "کیوں بھئی یہاں کوئی سیر و تفریح کی جگہ بھی ہے"

بوڑھے نے جواب دیا "ہزاروں جگہیں ہیں شالامار باغ، نشاط باغ، نسیم باغ"

"میرا یہ مطلب نہیں۔ میرا مطلب کچھ اور ہے"

بوڑھے نے کہا "یہاں ریاست کی طرف سے نمائش ہو رہی ہے۔ آپ وہ دیکھ سکتے ہیں شام کو مہاراجہ کو پولو کھیلتے ہوئے دیکھئے۔ اس کے علاوہ سینما اور تھیٹر ہیں"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"تم میرا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی جگہ جہاں آدمی اپنا دل بہلا سکے۔"

بوڑھے نے کہا۔ "صاف صاف کہیئے کہ آپ کو ایک خوبصورت لڑکی یا عورت درکار ہے۔"

اس نے خوشی سے اچھل کر کہا۔ "بالکل بالکل اب تم ہماری بات سمجھ گئے۔"

بوڑھے نے لمبا سا منہ بنا کر کہا۔ "صاحب۔ ایسی بات کا ذکر پھر نہ کرنا مہاراجہ نے ایسی باتوں کی سخت بندش کر دی ہے آپ جن باتوں کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ اب سری نگر میں ناممکن ہیں۔"

اس کا چہرہ اتر گیا اور وہ چپ چاپ جھیل کے نیلے پانی کی طرف جھانکنے لگا۔

سری نگر میں رومان کو نایاب پا کر وہ مضافات میں گیا۔ شالامار۔ نشاط باغ سب چھان مارے مگر اس کے دل کی کلی کسی جگہ نہ کھلی۔ یہاں رومان کے تمام لوازمات موجود تھے سبزہ سیب کا درخت۔ خوبصورت فوارے۔ روح پرور نسیم مگر نہ تھی تو صرف ایک خوبصورت کشمیری لڑکی جس کی عدم موجودگی میں تمام چیزیں پھیکی اور بے لطف نظر آتی تھیں۔ جب کبھی وہ کسی خوبصورت لڑکی کو روش پر اکیلی آتے ہوئے دیکھتا۔ اس کی امید بندھ جاتی کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کے رہے گا۔ مگر جلد ہی اس لڑکی کے پیچھے اس کے رشتہ داروں کا ہجوم آتا ہوا دکھائی دیتا اور وہ پھر ناامید ہو جاتا۔

ایک دفعہ اس کے رومان کی کمند تب ٹوٹی جب دو چار گز لبِ بام رہ گیا تھا۔ ایک خوبصورت دوشیزہ ایک فوارے کے قریب پھسل پڑی اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر دوڑ کر اسے سہارا دینا چاہا مگر اس کی بدقسمتی کہ اس کے پہنچنے سے پہلے لڑکی کا بھائی وہاں پہنچ گیا اور وہ بے نیل و مرام واپس آ گیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سری نگر میں دو ہفتے رہنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ جگہ رومان سے سراسر خالی ہے۔ بہت سے لوگوں سے اس نے سنا کہ رومان نواز طبیعتوں کے لئے پہل گام سے بہتر کوئی جگہ نہیں پہلگام کے متعلق لوگوں نے اُسے عجیب و غریب حکائتیں سنائیں۔ پہلگام میں ہندوستان کی رنگین مزاج عورتیں آتی ہیں۔ پہلگام میں خوبصورت بیوائیں ہیں۔ پہلگام میں کئی حسین دوشیزائیں تن تنہا خیمہ زن ہیں۔ پہلگام میں آزاد خیال بنگالنیں ہیں۔ اس قسم کی باتیں سُن کر اسے یقین ہو گیا کہ اس نے سری نگر آ کر سخت غلطی کی ہے۔ اور اُسے دراصل پہلگام جانا چاہیئے تھا۔ دوسرے دن وہ پہلی لاری پر سوار ہو کر پہلگام پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے ایک خیمہ کرائے پر لیا اور رومان کا انتظار کرنے لگا۔ شام کے وقت اُس نے کشمیر جانے والی سڑک پر عورتوں اور آدمیوں کا جمِ غفیر دیکھا۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ سارا پنجاب پہلگام میں وارد ہوا ہے۔ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بلیں کے قریب پہاڑیوں کے دامن میں جہاں تک اس کی نظر کام کرتی تھی عورتیں ہی عورتیں نظر آتی دیکھ کر اُسے ایک گونہ تسلی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ اتنی عورتوں میں سے رومان کی گنجائش کا نکل آنا ناممکنات میں سے نہیں۔ اس دن جب وہ خیمے میں واپس آیا تو تمام رات ایک نامعلوم خلش سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ دو تین دنوں کے بعد جب وہ پہلگام کی بستی سے بخوبی واقف ہو گیا تو اس نے رومان نواز عورتوں کا کھوج لگانا شروع کیا۔ حُسنِ اتفاق سے اس دن آسمان ابر آلود تھا۔ وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دریا کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر کے بعد اسے دو لڑکیاں پیچھے سے آتی ہوئی دکھائی دیں۔ انھوں نے پیلے رنگ کی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں۔ سر ننگے تھے۔ اور بالوں میں بہت سے پھول گوندھے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا ضرور یہ بنگالی لڑکیاں ہیں۔ وہ رُک گیا جب لڑکیاں اس کے پاس پہنچ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گئیں تو اُس نے ان کی طرف دیکھا۔ دونو بہت پیاری معلوم ہوئیں۔ وہ ان کے پیچھے ہو لیا جب وہ شہر سے تقریباً آدھ میل دور چلا گیا۔ تو اس نے جرأت کر کے ان سے ہم کلام ہونا چاہا۔ وہ دو تین دفعہ کھانسا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔ مگر باوجود کوشش کے وہ بول نہ سکا۔ چار پانچ منٹ بعد وہ پھر کھانسا اور اس نے ہمت کر کے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اُن لڑکیوں سے پوچھا۔ "کیا آپ بنگالن نہیں ہیں؟" ایک لڑکی نے کڑک کر کہا۔ "آپ کا اس بات سے کیا مطلب ہے کہ ہم کون ہیں؟" وہ سہم گیا۔ مگر موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے جھوٹ موٹ کہا۔ "میں بنگالی ہوں اس لئے پوچھا تھا" دوسری لڑکی نے نہایت غصے سے کہا۔ "آپ بنگالی ہیں تو جہنم میں جائیے۔ راہ چلتی عورتوں کو چھیڑنے کا آپ کو کوئی حق نہیں" "میں نے آپ کو چھیڑا تو نہیں بہن" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خاموش!" دونوں لڑکیوں نے چیخ کر کہا۔ "ورنہ ابھی پولیس کے حوالے کر دیں گے" اسے ایک ناقابل برداشت خفت کا احساس ہوا۔ اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اُن لڑکیوں سے آگے نکل گیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد وہ چہل قدمی کرتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچا جو چیل کے درختوں سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے عین درمیان ایک خیمہ کھڑا تھا۔ جس کے دروازے پر ایک خوبصورت عورت نیم برہنہ قسم کا لباس پہنے انگڑائی لے رہی تھی۔ "ہو نہ ہو" اس نے سوچا۔ "یہ کسی خوبصورت بیوہ کا خیمہ ہے ورنہ وہ اس قدر بے شکن لباس میں کھڑی ہو کر انگڑائی نہ لیتی" اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس خیمہ کے قریب گیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ اس کے منہ سے کوئی بات نکلتی۔ عورت نے گرج کر کہا۔ "تم کون ہو؟ اور یہاں کس لئے آئے ہو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں۔ کہ یہ شارع عام نہیں" وہ بوکھلا سا گیا۔ مگر اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لئے لکنت آمیز انداز میں کہنے لگا۔ "کیا بائی صاحب کو یہیں سے راستہ جاتا ہے" "مجھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

معلوم نہیں ۔" عورت نے بے اعتنائی سے کہا " وہ ہمارا خاکروب آرہا ہے۔ اُس سے پوچھو ۔"

مگر وہ خاکروب سے ہم کلام ہوئے بغیر آگے نکل گیا۔

اُس اتوار کو اس نے چندن واڑی جو پہلگام سے سات میل دور تھی جانے کی صلاح ٹھہرائی۔ اُس نے کرائے پر ایک گھوڑا لیا۔ اور علی الصبح چندن واڑی کی طرف روانہ ہوا۔ دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اس نے تین چار لڑکیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ آپس میں خوش فعلیاں کر رہی تھیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر اس کا دل مسرت سے ناچنے لگا۔ وہ اپنا گھوڑا ان کے گھوڑوں کے قریب لایا۔ جونہی لڑکیوں نے اسے دیکھا وہ بالکل چپ ہو گئیں۔ رنگِ حیا سے ان کے کان تک سرخ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار کو مدھم کر لیا۔ تاکہ وہ ان سے آگے نکل جائے۔ مگر اسے یہ ہرگز منظور نہ تھا۔ لڑکیوں نے اپنے گھوڑے کھڑے کر لئے۔ اس نے بھی اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ لڑکیوں نے اپنے سر نیچے جھکا لئے۔ وہ دائیں بائیں جھانکنے لگا۔ چند ثانیئے نہایت خاموشی میں گذرے اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک لڑکی نے جو ذرا شوخ تھی کہا " اس طرح کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔ ہم تو آگے جاتے ہیں " یہ کہہ کر اُس نے گھوڑے کو ایڑی لگائی باقی دو وہیں کھڑی رہیں۔ نوجوان نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کا فیصلہ کر لیا اور لڑکی کے تعاقب میں ہوا ہو گیا۔ راستہ نہایت تنگ اور پتھریلا تھا۔ جگہ جگہ موڑ تھے۔ ایک دو موڑ تو خیریت سے گذرے۔ تیسرے موڑ پر نوجوان کے گھوڑے نے جو ٹھوکر کھائی تو سوار سمیت کھڈ میں جا پڑا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ نوجوان کو اس کا کچھ پتہ نہیں لیکن جب اس کی آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے آپ کو سری نگر کے سول ہسپتال میں پایا۔ اُسے تمام جسم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر شدید چوٹیں آئی تھیں۔ تقریباً پندرہ دن مرہم پٹی کرواتا رہا جب اس کے زخم کچھ کچھ بھرنے لگے۔ تو اُس نے واپس آنے کا ارادہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گھر پہنچ کر پہلا کام اس نے یہ کیا۔ کہ تمام رومانی افسانوں، ناولوں اور نظموں کو پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ مصنفوں اور شاعروں کو لاتعداد گالیاں دیں۔ انھیں جھوٹے دروغ گو۔ دھوکا باز اور نہ جانے کیا کیا کہا۔ مگر اس نے صرف اپنی ناتجربہ کاری کا ایک اور ثبوت دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتنا سادہ لوح تھا کہ اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ رومان کی تلاش میں اگر شاعروں اور افسانہ نویسوں کے دل زخمی ہوتے ہیں تو عام آدمیوں کے سر پھٹتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

علامہ ظہور

علامہ ظہور کی وفات کے دو ہی گھنٹے بعد لوگوں نے ان کی زندگی، ان کی شاعری اور فلسفے پر مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔ معلوم یہ ہوتا تھا، کہ ملک کا ہر چھوٹا بڑا نقاد افسانہ نویس اور شاعر اگر علامہ کا ہم نوالہ نہیں تو ہم پیالہ ضرور تھا۔ اخبارات و رسائل نے "ظہور نمبر" نکالے۔ ادبی مجلسوں نے "ظہور میموریل" قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بہی خواہانِ ملت نے ظہور کبڈی ٹورنامنٹ۔ ظہور لانڈری اور ظہور فٹ بال کلب بھی قائم کرنے کی سعی بلیغ کی۔ مقررانِ آتش نوا نے علامہ کے کلام پر تقریریں کر کے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

الغرض علامہ کی موت ہر ایک شخص کے لئے رحمتِ باری ثابت ہوئی۔ جو شخص بھی علامہ ظہور پر مضمون لکھتا، ہفتوں اس کا مجلسوں میں اس طرح استقبال کیا جاتا۔ "یہ صاحب علامہ کے گنتی کے چند دوستوں میں سے ایک ہیں"۔ شہرت حاصل کرنے کا اس سے نادر موقع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاید ہی کسی کو ملا ہو۔

یہ سب باتیں مرزا ظریف ہر روز دیکھتا اور پڑھتا، اور دل ہی دل میں کڑھتا۔ کہ وہ شخص جن کو علامہ کی زندگی میں ان کے در کی چوکھٹ دیکھنے کا بھی موقع میسّر نہیں ہوا۔ ان کی موت کے بعد اس طرح باتیں کرتے ہیں گویا ان کی ساری عمر صرف علامہ کے ہی گھر کٹی۔ مثلاً ایک افسانہ نویس نے جس کا نام تک اس سے پہلے کسی شخص نے نہیں سنا تھا، لکھا "میں اور علامہ ہمیشہ ایک چارپائی پر سوتے تھے۔ اگرچہ علامہ بے حد فربہ بدن واقع ہوئے تھے۔ اور تنگ چارپائی پر سونے کی وجہ سے انھیں کبھی کبھی ساری رات نیند نہ آتی تھی۔ مگر دلی خلوص کا یہ حال تھا، کہ کبھی زبان سے اُف نہیں کی۔ برابر پچاس سال وہ میرے ساتھ اسی کھاٹ پر سوتے رہے" ایک صاحب جو کسی گمنام اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ اس طرح رقمطراز ہوئے۔

"علامہ دوپہر کا کھانا ہمیشہ میرے ہاں کھاتے تھے۔ علامہ کو ٹماٹر سے جتنی رغبت تھی اتنی ہی بینگن سے نفرت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے ایک رکاب کو کہ جس میں بینگن کی بھاجی تھی، اس زور سے فرش پر پٹک مارا کہ دیگوڑے میں سویا ہوا بچہ خواب میں چیخ اُٹھا۔"

اس مضمون کو پڑھ کر ایک پروفیسر صاحب جل اُٹھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قوم کو یہ جاننے کی اتنی ضرورت نہیں کہ علامہ کون کونسی سبزیاں زیادہ پسند فرماتے تھے جتنی اس امر کی کہ ان کے پسندیدہ پھلوں کے نام کیا تھے چنانچہ اسی دن انھوں نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ایک نہایت دلچسپ مضمون لکھا "علامہ انگور اور کیلا شوق سے کھاتے تھے۔ کھجور ان کا من بھاتا پھل تھا۔ مگر انار سے انھیں ازلی نفرت تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے، کہ ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دفعہ جب وہ میرے دیوان خانے میں بیٹھے تھے میں نے غلطی سے انھیں ایک قندھاری انار پیش کر دیا، اس کو دیکھتے علامہ کو متلی شروع ہو گئی اور پورے دو گھنٹے کے بعد بمشکل سے ان کی طبیعت سنبھلی۔"

۲

تعجب کی بات یہ تھی کہ جوں جوں دن گذرتے گئے، علامہ مرحوم کے دوستوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ ان کے دوستوں کے زمرے میں ہر قسم اور شعبہ کے لوگ شامل تھے۔ پروفیسر، ادیب، حکیم، پنساری، سپاہی، باورچی، سائنٹسٹ، جو مضمون نگار چھوٹے طبقے سے ہوتا اور جس کو اپنی کم مائیگی کا زیادہ احساس ہوتا، وہ اپنے مضمون کی تمہید اس طرح باندھتا، "علامہ کے ہاں چھوٹے اور بڑے کی تفریق نہ تھی، وہ ایک قلی سے مصافحہ کر کے اتنے ہی خوش ہوتے تھے، جتنے ایک شہنشاہ سے۔ میں کئی دفعہ ان کے مکان پر ان سے ملا، اور انھوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے شرفِ ملاقات بخشا۔"

جس مضمون نگار کو اپنا مضمون زیادہ دلچسپ بنانا ہوتا، وہ علامہ کے متعلق فرضی کہانیاں گھڑ کر مضمون میں ٹھونس دیتا۔ مثلاً ایک صاحب نے جو کسی امریکن بیمہ کمپنی کے ایجنٹ تھے لکھا، "ایک دفعہ دورانِ گفتگو میں میں نے علامہ سے کہا۔ کہ آپ اپنی زندگی کا بیمہ کیوں نہیں کراتے۔ اس پر علامہ مسکرا دئے اور کہنے لگے، کہ بیمہ وہ کرائے جس کو موت کا ڈر ہو، میں تو موت کو راحتِ ابدی تصور کرتا ہوں، موت تو وہ دروازہ ہے، جس میں سے گذر کر انسان بہشت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بار بار یہ شعر دہرایا۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے\
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

علامہ نے یہ شعر کچھ اس طرح ادا کیا۔ کہ مجھ پر وجدطاری ہو گیا۔ چنانچہ اسی دن میں نے توبہ کی۔ کہ آئندہ کسی شاعر، فلسفی، یا علامہ کا بیمہ نہیں کروں گا۔"

ایک سیاسی لیڈر نے لکھا:-

"علامہ ہمیشہ مجھ سے سیاست پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں دقیق سیاسی مسائل سمجھنے کی قابلیت نہ تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایک نہایت زبردست سیاستدان تھے۔ جب پہلے پہل نہرو رپورٹ شائع ہوئی تو علامہ نے مجھ سے درخواست کی۔ کہ میں انھیں ساری کی ساری رپورٹ پڑھ کر سمجھاؤں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔"

ایک اور صاحب نے جنھیں مصور ہونے کا فخر حاصل تھا لکھا "علامہ فن مصوری میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا، کہ آپ کے خیال میں کیا محبت خوبصورتی پیدا کرتی ہے یا خوبصورتی محبت؟ علامہ نے فرمایا۔ یہ امر بحث طلب ہے۔ بہرحال میرے خیال میں محبت خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ مثال کے طور اس بندریا کو دیکھئے جسے میں نے پال رکھا ہے۔ میرے لئے یہ دنیا کی حسین ترین چیز ہے۔ اتنی حسین کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی خوبصورت سے خوبصورت رقاصہ، دلہن یا ایکٹرس میری آنکھوں میں ہیچ ہے۔ میں یہ سن کر تصویر حیرت بن کر رہ گیا۔ کہ جس مسئلہ نے مجھے مدتوں پریشان رکھا علامہ نے ایک عام فہم مثال سے اس کو میرے ذہن نشین کر دیا۔"

۳

مرزا ظریف نے علامہ کو اپنی زندگی میں ایک آدھ بار دو یا تین سو گز کے فاصلے سے دیکھا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ وہ ایک مجلس کے صدر کے فرائض انجام دے رہے تھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور دوسری دفعہ جبکہ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو رہے تھے ۔

چنانچہ ان دو ملاقاتوں کی بنا پر انھوں نے بھی علامہ پر قلم اٹھانے کی جرأت کی ایک لحاظ سے وہ حق بجانب تھے۔ کیونکہ کم از کم انھوں نے علامہ کی شکل تو دیکھی تھی، یہ علیحدہ بات ہے کہ انھیں ان سے گفتگو کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ اگر علامہ دس بیس برس اور زندہ رہتے تو ضرور ملاقات ہو جاتی، پھر جبکہ ہر ایک آدمی علامہ پر کچھ نہ کچھ لکھ رہا تھا، وہ کیوں چپ بیٹھتے۔ چنانچہ رسالہ انجم کے "ظہور نمبر" میں مرزا ظریف نے ۲۷ صفحے کا ایک طویل مضمون رقم کیا۔ جس کے ضروری اقتباسات نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

"میں علامہ کو سب سے پہلی دفعہ میر درد مرحوم اور دبیر مرحوم کے ساتھ ان کی کوٹھی پر ملا جس وقت دبیر نے میرا تعارف علامہ سے کرایا۔ علامہ اس وقت اپنی ڈاڑھی یاں سے ایک سفید بال مونچھ سے نکال رہے تھے۔ آپ پہلے ہی دن مجھ سے کچھ ایسے مانوس ہو گئے کہ رات کو میری دعوت اپنے گھر کی اور کھانا کھلا کر اپنی موٹر میں مجھے میرے گھر چھوڑ آئے اس کے بعد کئی ملاقاتیں ہوئیں، اکثر وہ خود شام کو میرے گھر تشریف لاتے تھے۔ اور آدھی آدھی رات تک اپنی بذلہ سنجی سے مجھے محظوظ کرتے تھے۔ ان موقعوں پر عجیب سماں بندھتا تھا۔ ایک دفعہ علامہ کو ایسی زبردست چھینک آئی کہ میز پر پڑی ہوئی تینوں موم بتیاں بجھ گئیں۔ اسنے میں ایک بلی کا بچہ پھدک کر علامہ کی ٹوپی پر آ بیٹھا، اور علامہ بھوت بھوت کہہ کر کمرے سے نکل بھاگے . . .

ایک دفعہ علامہ میرے ساتھ دکان پر چائے پی رہے تھے کہ ایک لمبی ریش والا مولوی داخل ہوا، اور کہنے لگا "علامہ آپ مزے سے چائے پی رہے ہیں، ادھر قوم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تباہ ہو رہی ہے" یہ سن کر علامہ کے ہاتھ تھرتھرانے لگے۔ چائے کا پیالہ ان کے ہاتھوں سے گر پڑا، اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی . . . .

ایک دفعہ علامہ غلطی سے پاجامہ الٹا پہن کر میرے ہاں تشریف لائے۔ میرے پاس اس وقت رحیم مرحوم بیٹھے تھے۔ ہم دونوں علامہ کو دیکھ قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ مگر علامہ کو پھر بھی اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا۔ جب ہم نے پاجامہ کی طرف اشارہ کیا، تو کہنے لگے کہ بھئی جس وقت میں شعر موزوں کرتا ہوں، مجھے اپنے لباس کا کچھ خیال نہیں رہتا چنانچہ انھوں نے کوٹ اتار کر دکھایا، کہ قمیص بھی الٹی پہن رکھی ہے . . . "

بیمار ہونے سے ایک ہفتہ پہلے انھوں نے میرے ہاں شام کا کھانا کھایا، رخصت ہوتے وقت کہنے لگے "مرزا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری دعوت ہے" میں ان الفاظ کا کچھ مطلب نہ نکال سکا۔ مگر افسوس کہ یہ الفاظ صحیح پیشین گوئی سے لبریز تھے۔ اسی دعوت کے متعلق ایک اور بات یاد آگئی۔ علامہ جاتی دفعہ بجائے اپنا بوٹ پہننے کے غلطی سے میرا بوٹ پہن کر چل پڑے۔ راستے میں خیال آیا، اور پھر واپس آ گئے۔

بیماری کے دوران میں اکثر مجھ سے تخلیہ میں بات چیت کرتے۔ مرنے سے چند منٹ پیشتر انھوں نے اپنے تازہ کلام کا مسودہ میرے سپرد کرتے ہوئے کہا "بھائی لطف! یہ امانت تم ہی سنبھال سکتے ہو۔ دیکھنا اس کی اشاعت میں تاخیر نہ کرنا۔ کیونکہ اس میں قوم کے لئے ایک تازہ پیغام حیات چھوڑ کر مر رہا ہوں"

ان الفاظ کے ساتھ علامہ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔ ممکن ہے میں نے اس کا مطلب غلط لیا ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں وہ اس لئے خوش تھے کہ ان کا آخری کلام المعروف بہ "چراغِ سحری" تمام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہاتھوں میں دیا گیا تھا۔"

۴

اس مضمون کے چھپنے کے دو تین دن بعد مرزا ظریف کا شمار علاّمہ ظہور کے جگری دوستوں میں ہونے لگا۔ اور ہزاروں ادیب، ایڈیٹر، نقاد، ان کے مکان، واقعہ کوچہ زرگراں پر "چراغِ سحری" کا مسودہ دیکھنے جس کو مرزا نے نہایت شکستہ حروف میں ایک رات بارہ بجے تک بیٹھ کر لکھا تھا، دیکھنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر....

کسی شخص کی بد قسمتی کا اندازہ اُس کے ہمسایوں کی تعداد سے کیا جا سکتا ہے مثلاً جس شخص کا کوئی ہمسایہ نہیں۔ اس کا شمار ہم دنیا کے ان چند ایک خوش قسمت انسانوں میں کر سکتے ہیں۔ جن میں نظام حیدر آباد، راک فیلر اور ہنری فورڈ شامل ہیں۔ بصورت دیگر اگر کسی شخص کے چار یا پانچ ہمسائے ہیں تو اس شخص کی بد قسمتی کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی علاج اور ہمیں کچھ تعجب نہ ہوگا اگر وہ شخص شیکسپیئر کے مشہور کردار ہیملٹ کی طرح دن رات یہی سوچتا رہتا ہو۔ زندگی اچھی یا خودکشی۔ خودکشی اچھی یا زندگی۔

قیاس اغلب ہے کہ ان اشخاص میں اردو کے جلیل القدر شاعر مرزا غالب بھی شامل تھے۔ کیونکہ ایک جگہ اپنے ہمسایوں سے تنگ آکر فرماتے ہیں:۔

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ذرا خیال فرمائیے۔ مرزا علی الصبح اُٹھتے ہیں۔ اور اپنے ہمسائے سے کہتے ہیں" سنئے گا۔ مطلع عوض ہے" اور کوڑ مغز ہمسایہ کہتا ہے" ہاں مرزا! مطلع کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔ مطلع تو بالکل صاف ہے" یا مرزا فرماتے۔ دیکھئے کل رات کیا اچھا شعر موزوں ہوا ہے

غم اگرچہ جاں گُسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا۔ غمِ روزگار ہوتا،

اور شعر و شاعری سے بے بہرہ ہمسایہ فرماتا۔ ہاں مرزا! روزگار کا بہت برا حال ہے تین دن سے دکان پر ایک گاہک تک نہیں پھٹکا"

اب بتائیے مرزا سر پیٹ کر کیوں نہ فرمائیں کہ" رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو"

مگر اسی پر بس نہیں۔ مرزا ہمسایوں سے اتنے تنگ ہیں کہ فرماتے ہیں:۔

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے

بہت خوب! کیونکہ اگر گھر کے در و دیوار ہوتے۔ تو ہمسایہ بھی ضرور ہوگا۔ اس لئے بے در و دیوار سا گھر بنانے سے ہی اس کم بخت سے نجات حاصل ہو سکتی ہے.....

اب مرزا تو ٹھہرے شاعر، جن کے لئے جیسی بستی ویسا ویرانہ۔ مگر ہم اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں کہ جن کو ساری عمر بستی میں گزر کرنا ہے اور جن کے ایک چھوڑ پانچ ہمسائے ہیں.....

آپ ہمارے پہلے ہمسائے سے متعارف ہو جئے۔ یہ صاحب کسی نام نہاد بیمہ کمپنی میں کلرک ہیں۔ مگر آپ کے اقوال اور افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ کلرکی تو صرف اُن کا شغل ہے۔ ورنہ پیشے کے لحاظ سے وہ طبیب واقع ہوئے ہیں۔ آنجناب کی حالت یہ ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ امیر مینائی کی طرح "سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے۔" فرق اتنا ہے کہ امیر مینائی کو کسی کو کانٹا چبھنے پر تڑپتے تھے۔ یہ صاحب بغیر کسی ایسی خلش کے تڑپا کرتے ہیں۔ اور وقت بے وقت ہر تندرست اور بیمار شخص کے لئے نسخے تجویز کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً "آپ کو کھانسی ہے، ذرا خیال رکھئے۔ کہیں وجع الصدر نہ ہو جائے۔ آج ہی شربت بنفشہ خرید لیجئے۔ اور کم از کم دو ہفتے پیجئے"۔ ۔ ۔ ۔ "آپ کی آنکھیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو قبض ہے۔ علی الصبح ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پیا کریں۔" "آپ روز بروز دُبلے ہو رہے ہیں۔ کہیں رات کو پسینہ تو نہیں آتا؟"

ان کا مقولہ ہے کہ تندرستی کا انحصار تین باتوں پر ہے:-

(۱) صبح چار بجے اٹھ کر سیر کرنا۔

(۲) سرسوں کے تیل کی مالش کرنا۔

(۳) انگریزی بُرش کی بجائے مسواک کرنا۔

سیر کے متعلق ان کا اعتقاد ہے۔ کہ یہ کم از کم دس امراض کا واحد علاج ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک چارٹ (نقشہ) تیار کیا ہے۔ جس کی ایک کاپی اپنے ہر ایک ہمسائے کو مفت مہیا کرتے ہیں۔ اس چارٹ میں لکھتے ہیں:-

بدہضمی کی دوا	لارنس باغ کے پانچ چکر
سر درد کی دوا	لارنس باغ کے چار چکر
پیٹ درد کی دوا	لارنس باغ کے دو چکر

آپ سیر کے اتنے شوقین ہیں۔ کہ ان کا یہ شوق مرض کی انتہا تک جا پہنچا ہے۔ سردی ہو یا برسات۔ آندھی ہو یا طوفان جون ہو یا دسمبر، یہ سیر کرنے ضرور جائیں گے۔ اور کم از کم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دو تین ہمسایوں کو اپنے ساتھ لے جانے پر مصر ہوں گے۔ اور پھر جو شخص کسی بے وقوفی کے
نتیجے میں ان کا شریکِ حال ہو جائے تو اس کا ڈاکٹر یا خدا ہی حافظ ہے۔ کیونکہ ان کے
نزدیک سیر اور سفر میں بہت کم فرق ہے۔ دس میل کی روزانہ مسافت کو یہ حضرت سیر کے
نام سے پکارتے ہیں۔ جب لارنس باغ جو آپ کے گھر سے چار میل پر ہے۔ پہنچتے ہیں
تو کہتے ہیں کہ بس اب دو میل اور۔ اور پھر فضا کچھ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور ہماری سیر و تفریح
شروع ہو گی۔ ایک دو دفعہ مجھے بھی سیر پہ گھسیٹ کر لے گئے۔ واپسی پر میرا یہ حال تھا کہ قدم
ڈگمگا رہے تھے۔ سانس پھولا ہوا تھا اور جسم پسینہ میں تر بتر۔

سرسوں کے تیل کی مالش ان کا دوسرا مجرب نسخہ ہے۔ اور جو شخص اس تیل کی مالش
نہیں کرتا۔ وہ ان کے نزدیک گردن زدنی اور کشتنی ہے۔ یہی بات مسواک کے متعلق
ہے۔ جو شخص انگریزی برش استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے دانتوں پر کلہاڑی چلاتا ہے۔

الغرض ہمارے یہ ہمسائے جو ہر درد کا درماں جانتے ہیں اور بلا فیس بتاتے ہیں
خود بلا سے بے درماں ہیں۔ جن سے سوائے نقل مکان اور موت کے رہائی حاصل کرنا
اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ قفس یا جیل خانے سے بچ کر نکلنا . . . . .

ہمارے دوسرے ہمسائے شکل اور لباس کے اعتبار سے انسان ہیں لیکن اگر
ان کو انسان نما ریڈیو کہا جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ کیونکہ ریڈیو کی طرح یہ بزرگ صبح
۸ بجے سے لے کر رات کے گیارہ بجے تک کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے ہیں۔ سیاست ملکی
مسلم لیگ، کانگرس، ہوائی حملے، قحط، بھونچال، بھوک، بے کاری، مردم شماری ان کے
پسندیدہ موضوع ہیں۔ سیاست میں اکثر ہندوستانی اور انگریزی سیاستدانوں کی غلطیوں
اور گناہوں کی فہرست تیار کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ وائسرائے کی غلطی ہے اور سچ پوچھو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو یہ کانگرس کی بھی ہے۔ اور مسلم لیگ کی بھی۔ قصور مسٹر جناح کا ہے۔ مگر مہاتما گاندھی ۔ کو بھی معاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ سب کی غلطی ہے۔ آپ دیکھیں نہ یہ غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔ نہیں مگر یہ غلطی نہیں۔ اس کو غلطی کہنا ہی غلطی ہے۔ یہ جرم ہے"

سیاست کے بعد ان کی دوسری دلچسپی کی چیز فلم ہے۔ فلموں کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں یہ فلاں ایکٹر فلاں کمپنی کو چھوڑ کر فلاں کمپنی میں شامل ہو گیا ہے۔ اب اس ایکٹر کا کیا بنے گا! اب اس کمپنی کا کیا بنے گا! فلاں ایکٹرس فلاں ایکٹر کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ خدا جانے دونوں کہاں بھاگ گئے ہیں! آپ اس ایکٹر کو جانتے ہیں۔ کیوں نہیں جانتے؟ آپ کا اس فلم کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ نے یہ فلم کیوں نہیں دیکھی؟ آپ ہر ایک فلم کیوں نہیں دیکھتے؟" .....

ہمارے تیسرے کریم فرما کسی سکول میں مدرس ہیں۔ آپ کا تکیہ کلام ہے "میں پوچھتا ہوں۔ آپ کے پاس یہ چیز ہے؟" چنانچہ آپ بجائے بازار۔ ڈاک خانہ یا ہسپتال جانے کے وقتاً فوقتاً ہمارے پاس تشریف لے آتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں آپ کے پاس ایک گولی کونین کی ہے۔ ایک آنے کا ٹکٹ ہے؟ پرسوں کا اخبار ہے؟ پچھلے سال کا کیلنڈر ہے؟ اس سال کی جنتری ہے؟ پریم چند کی کہانیوں کا مجموعہ ہے؟ اقبال کے اشعار کا انتخاب ہے؟ وغیرہ وغیرہ سوالوں سے ہمارا ناک میں دم کیا کرتے ہیں۔ ایک دن نہایت گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگے "آپ کے پاس "ادبِ لطیف" کا سالنامہ ہے؟" میں نے کہا یہ کیوں؟ اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کہنے لگے "یونہی کچھ نہیں۔ اس میں سے ہارلکس کا اشتہار پڑھنا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمارے چوتھے ہمسائے ان اشخاص میں سے ہیں جن کو لیڈر کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ ان کو ہر وقت قوم کا غم کھائے جاتا ہے اور اس غم میں وہ اس طرح روتے ہیں۔ گویا اُس شاعر کے مصرع کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ جس نے کہا تھا "ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہا دیں"

وہ جس وقت ہمارے پاس آتے ہیں۔ قوم کی لاش پر آنسو بہانے آتے ہیں۔ "اس قوم کا اب کچھ نہیں بن سکتا۔ ہندوستانی دنیا میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔ چینی ہندوستانیوں سے بھی پست حالت میں ہیں۔ مگر بسبب الوجوہی ہم چینیوں سے بھی پست تر ہیں۔ انگریزی مزدور کی روزانہ آمدنی تین روپے ہے۔ امریکن مزدور کی ساڑھے چار روپے، آسٹریلین کی پانچ روپے اور ہندوستانی مزدور کی آمدنی صرف چھ پیسے یومیہ ہے" یا اس طرح "اس سال ہندوستان میں دو لاکھ کی کھانڈ باہر سے آئی۔ ۲۰ لاکھ کے سگرٹ آئے۔ دس لاکھ کے کھلونے آئے۔ افسوس اس ملک کا کیا بنے گا"

ہر وقت مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں کہ میں چرخہ کب خریدوں گا اور سوت کب کاتنا شروع کروں گا۔ سودیشی تحریک کے بے دلدادہ ہیں۔ مگر گھڑی سوئٹزرلینڈ کی اور سگرٹ انگلینڈ کا خریدتے ہیں۔ لکھنے کا قلم امریکہ کا تیل اور کریم فرانس کے اور کھانڈ جاوا کی استعمال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے ایک اور ہمسائے ہیں۔ جو سوشلسٹ واقع ہوتے ہیں۔ آپ ہر وقت مہیب اور خطرناک الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں مثلاً زلزلہ آئے گا۔ ایک زبردست طوفان اُٹھے گا۔ بجلیاں کڑکیں گی۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں گی۔ آپ کو ناز ہے۔ آپ نے سوشلزم کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ نے آج تک صرف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لینن کی سوانح عمری پڑھی ہے۔ وہ سوانح عمری جس کا روسی زبان سے فرانسیسی۔ فرانسیسی سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔ اپنی ہر تقریر کا آغاز " ماسکو" سے کرتے ہیں :-

" ماسکو میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ ماسکو میں اگر کوئی یہ بات کرے تو اُسے فوراً گولی کا نشانہ بنا دیا جائے۔ ماسکو میں اگر کوئی شخص بازار میں کیلے کا چھلکا پھینک دے۔ تو اُسے دو سال قید بامشقت کی سزا ہو جائے " آپ ہر وقت دنیا کے نظام کو بدلنے کی تجویزیں سوچتے رہتے ہیں۔ ہر وقت ملک کی خاطر سختیاں جھیلنے کے لئے تیار۔ جرأت کا یہ عالم ہے کہ جس دن شہر میں گرفتاریاں یا خانہ تلاشیاں شروع ہو جائیں۔ آپ خوفزدہ کبوتر کی طرح سہمے سہمے پھرتے ہیں۔ رُک رُک کر بات کرتے ہیں اور اپنے اخبارات کا پلندہ جو کہ آپ کا واحد اثاث البیت ہے۔ میرے گھر پھینک جاتے ہیں کہ مبادا ان اخبارات میں سے کوئی خلافِ قانون چیز برآمد ہو جائے ملباتر چھاقہ ہے۔ اور منہ پر ہر وقت کسی نامعلوم خطرے کے زیر اثر ہوائیاں اڑی رہتی ہیں۔ چہرے پر فاقہ مستی اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ پہلی ملاقات میں سب سے پہلے یہی چیز نظر آتی ہے۔ اکثر جوش ملیح آبادی کی نظمیں پڑھ کر دل کو تسلی دیا کرتے ہیں۔ اگرچہ آپ میں شباب کے آثار تک غائب ہیں اور آپ تغیر کے معنی سے قطعاً ناواقف ہیں۔ لیکن ہر صبح نہایت جوش سے اپنی بھاری آواز میں گایا کرتے ہیں۔

کام ہے میرا تغیر۔ نام ہے میرا شباب

آپ کا نیک ارادہ دنیا بھر کے خاکروبوں کو منظم کرنا ہے۔ اس کے بعد دھوبیوں کی انجمن " نائیوں کی انجمن " بے کاروں کی انجمن " بہشتیوں کی انجمن " ہر کاروں کی انجمن " مرشات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ماروں کی انجمن" وغیرہ قائم کریں گے۔ آپ کا خیال ہے کہ آپ غلطی سے ہندوستان
میں پیدا ہوئے ہیں جہاں آپ کی لیاقت کی بہت کم قدر کی گئی ہے۔ اس لئے بارہا مجھ
سے کہہ چکے ہیں کہ اگر میں ماسکو میں پیدا ہوتا تو......

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سنانے کا مرض

سنانے کا مرض! — عنوان سے گھبرائیے نہیں اور نہ ہی یہ سمجھئے۔ کہ یہ کوئی فرضی یا خیالی مرض ہے۔ باور کیجئے کہ بیسویں صدی میں جن نئے امراض سے انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اُن میں سب سے زیادہ خطرناک "سنانے کا مرض ہے" یہ مرض اس شدت اور سرعت سے پھیل رہا ہے۔ کہ اس کو مرض کی بجائے وبا کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی علامات خفقان اور ہذیان سے ملتی جلتی ہیں۔ مگر اس کی دو اپنی علامات ہیں جو کسی اور مرض میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱) اس مرض میں صرف ادیب، افسانہ نویس اور شاعر مبتلا ہوتے ہیں۔

(۲) اس مرض کی تکلیف مریض کے خویش و اقارب کی بجائے دوستوں کو اٹھانی پڑتی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس مرض کی تشریح کی جاتی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آج کل جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ تقریباً ہر شخص جس نے دیوانِ غالب کا سرورق پڑھا ہے۔ کم و بیش شاعر ہے۔ اور اگر وہ یہ جانتا ہے کہ وصال اور جمال ہم قافیہ اور انتظار ہم قافیہ ہیں۔ تو وہ نہ صرف شاعر ہی ہے۔ بلکہ ناخدائے سخن اور ملک الشعراء بھی۔ جس وقت کوئی شخص ملک الشعراء کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اُسے فوراً سنانے کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ آپ نہیں سمجھے؛ تھوڑی سی تشریح اور کئے دیتا ہوں آپ کو یاد ہوگا کہ بسا اوقات جب آپ کچھ سوچتے، کچھ اونگھتے سڑک پر جا رہے ہیں آپ کا کوئی "شاعر" دوست پیچھے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آپ کو اس طرح آ دبوچتا ہے۔ گویا وہ سیر کے لئے نہیں بلکہ شکار کرنے نکلا تھا۔ خیر و عافیت، موسم اور جنگ کے متعلق بات چیت کرنے کے بعد ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ وہ اچکن کی جیب سے ایک میلا کچیلا کاغذ جس پر چند سطور پنسل سے لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ کاٹی ہوئی اور کچھ مٹائی ہوئی ہوتی ہیں نکالتا ہے اور پیشتر اس کے کہ آپ بھاگ سکیں یا پکار سکیں "مدد! مدد!" وہ اپنے "تازہ افکار" پڑھ کر سنانا شروع کر دیتا ہے۔

"سنئے صاحب مطلع عرض کیا ہے۔ ہاں جناب! مطلع عرض کیا ہے، پھر عرض کیا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ وہ شعر پڑھتا ہے۔ مسکراتا ہے۔ اور آپ کی طرف ملتجیانہ نظروں سے تاکتا ہے۔ جو کہہ رہی ہیں "پہلے شعر پر آپ چپ رہے۔ دوسرے پر بھی چپ رہے اب تیسرا پڑھ رہا ہوں۔ اب تو داد دیجئے" جوں جوں شعر پڑھتا جاتا ہے۔ آواز میں جوش اور بلندی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب مقطع پر پہنچتا ہے۔ تو اس زور سے آواز نکالتا ہے کہ سڑک پر چلنے والے چھوٹے بچے سہم کر اپنی ماؤں سے چمٹ جاتے ہیں۔ اگر وہ پرانی طرز کی غزلیں کہتا ہے۔ تو عموماً آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ جن اشعار کو وہ اپنی ملکیت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سمجھ رہا ہے وہ آپ نے مدت ہوئی دیوانِ فانیؔ یا دیوانِ حسرتؔ میں پڑھے تھے۔ اگر وہ ترقی پسند شاعر ہے تو آپ کو جلد پتہ چل جاتا ہے کہ وہ نثر کو نظم اور نظم کو نثر سمجھنے کا عادی ہے۔ بد قسمتی سے میری ایک ترقی پسند شاعر سے جان پہچان ہے۔ آپ کچھ اس قسم کی نظم لکھتے ہیں:۔

کاش اِک کشتی میں ہم تم بیٹھ کر
بھاگ جائیں دُور۔ اس دُنیا سے دُور
پیشتر اس کے کہ تیرا بوڑھا باپ
ہاتھ میں لمبا سا اِک پستول لے
مار کر گولی کرے مجھ کو ہلاک
اور غش کھا کر گرے تو خاک پر
یا گریباں کر کے اپنا چاک چاک
جانبِ جنگل میں بھاگوں اس طرح
جس طرح لیلیٰ کے پیچھے بھاگتا
جا رہا مجنوں کسی ہو وحشت میں

اگرچہ انھیں معلوم ہے۔ کہ میں اس قسم کی "جدید شاعری" کو سخت ناپسند کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس روش کے شاعر کے دماغی توازن کے متعلق ہمیشہ شبہ رہتا ہے اور ساتھ ہی ایسی نظم سُنتے وقت ہنسی ضبط کرنا نہایت گراں معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ جہاں بھی مجھے دیکھ پاتے ہیں، فوراً "ایک چھوٹی سی نظم سنتے جائیے" کہہ کر مجھ پر اشعار کی بمباری شروع کر دیتے ہیں۔ اور سلسلۂ کلام اس فقرہ پر ختم کرتے ہیں: یہ ہے ترقی جو اُردو شاعری نے غالبؔ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اقبالؔ کے بعد کی۔

ایک دفعہ آپ نے اصرار کے ساتھ مجھے اپنی ایک نظم جس کا عنوان "جدت" تھا۔ بازار میں ایک دکان سے سودا خریدتے ہوئے سنائی۔ وہ نظم آزاد بحر میں تھی۔ اور اس میں جدت یہ تھی کہ ہر ایک مصرع میں ایک آدھ لفظ پہلے مصرع سے کم ہوتا جاتا تھا۔ حتّٰی کہ مقطع پر پہنچتے پہنچتے صرف ایک لفظ رہ جاتا۔ کچھ اس طرح کے "شعر" تھے۔

آسماں میں چمک رہا چاند ہے

آسماں میں چاند دیکھ

چاند دیکھ عید کا

عید کا

ہے

چاند یہ

دیکھ!

دیکھ!

دیکھ

بھی!!!

نظم سنانے کے بعد کہنے لگے "کیوں، کیا خیال ہے آپ کا؟"

جھومتے ہوئے میں نے کہا "واللہ، غضب ہی تو کر دیا آپ نے۔۔۔۔ کاش آج حضرت غالبؔ زندہ ہوتے۔ تو آپ کے غیر فانی اشعار کی داد دیتے بس پھڑک گیا میں تو۔۔۔"

آپ نے نہایت والہانہ انداز میں فرمایا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"ہاں! غالب اور حالی والی لکھتے تھے۔ لیکن وہ اب پرانے ہو چکے ہیں۔ وہ کیا جانیں۔ جدید شاعری کیا ہوتی ہے۔"

ان کے علاوہ ہمارے ایک اور شاعر مزاج دوست بھی ہیں۔ جن کو یہ مرض بڑی طرح لاحق ہے۔ یہ نظم لکھنے کے بعد ہمیشہ کسی مجمع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جب تک کم از کم دو درجن احباب کو نظم نہ سنالیں۔ انھیں تسکین نہیں ہوتی۔ ایک دن گھر میں کوئی بیمار تھا۔ میں نہایت تیزی سے سائیکل پر ڈاکٹر کے ہاں جا رہا تھا۔ آپ سڑک کے کنارے کھڑے تھے۔ جونہی مجھے آتے دیکھا۔ لپک کر سائیکل پکڑ لیا۔ میں نے لاکھ معذرت چاہی۔ مگر آنحضرت نے تب تک آگے نہ بڑھنے دیا۔ جب تک مطلع سے مقطع تک ایک ایک شعر دوبارہ، سہ بارہ پڑھ کر نہ سنالیا۔ آپ اشتراکی شاعر ہیں۔ یعنی آپ کی ہر نظم شعلہ، بگولہ، شرارہ یا چنگاری ہوتی ہے۔ عموماً موضوع زلزلہ یا طوفان، مزدور یا خون ہوتا ہے۔ آپ اپنی ہر ایک نظم گا کر سناتے ہیں۔ اور سناتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ سڑک پر جا رہے ہیں یا باغ میں ٹہل رہے ہیں۔

شاعروں سے دوسرے درجے پر اس قسم کے مریض آپ کو افسانہ نویسوں میں ملیں گے۔ اب کچھ دنوں سے تقریباً ہر خواندہ شخص افسانہ نویس ہے۔ اور جب سے آنجہانی منشی پریم چند کی وفات ہوئی ہے۔ تقریباً ہر شخص اُن کا جانشین بھی ہے۔ ہر ایک شخص اس معذرت کے ساتھ افسانے لکھ رہا ہے۔ کہ جو مبارک کام منشی پریم چند نے شروع کیا تھا۔ اس کو جاری رکھا جائے۔ چنانچہ آپ کے متعدد دوست اب دن رات افسانے لکھ رہے ہیں۔ اور جب آپ کی اُن سے سرِراہے ملاقات ہوتی ہے۔ تو پہلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خوشخبری جو آپ کے گوش گذار کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہوتی ہے۔ کہ انھوں نے ایک "نئی چیز" لکھی ہے۔ جو آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ کسی زمانے میں "چیز" کی اصطلاح گانے والے لوگ ہی استعمال کرتے تھے۔ مگر اب اس چیز کو لکھنے والوں نے اپنا لیا ہے۔ عموماً یہ "چیز" ٹامس ہارڈی۔ سٹیونسن۔ یا ایچ۔ جی۔ ویلز کے کسی انگریزی افسانے کا ترجمہ ہوتی ہے اور بہت دفعہ جناب افسانہ نویس صرف انگریزی کی بجائے ہندوستانی نام استعمال کر کے اُردو افسانہ نویسی کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست جو اب ایک کامیاب افسانہ نویس ہیں یعنی اپنے افسانوں کا مجموعہ شائع کر چکے ہیں۔ اور ریڈیو پر دو بار کہانی پڑھ آئے ہیں۔ ایک دن مجھے اپنی تازہ چیز سنا رہے تھے۔ اتفاق سے اُس سے ایک دن پہلے میں آرنلڈ بنیٹ کا یہی افسانہ انگریزی میں پڑھ چکا تھا۔ اب جو سنتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے" افسانہ سنانے کے بعد آپ کہنے لگے۔ کیسا ہے؟ میں نے دبی زبان سے کہا "اچھا ہے 'بہت اچھا ترجمہ کیا ہے"۔ ترجمہ کے نام پر آپ جھلا اُٹھے۔ کہنے لگے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا "ٹھیک کہہ رہا ہوں یقین نہ ہو تو آرنلڈ بنیٹ کے افسانوں کا مجموعہ ثبوت میں حاضر کر سکتا ہوں"۔ اس پر آپ کچھ جھینپے اور فرمانے لگے "ممکن ہے آرنلڈ بنیٹ نے بھی اس قسم کا کوئی افسانہ لکھا ہو"۔ اس طرح ایک اور دوست ہیں۔ جنھوں نے مجھے اپنے پانچ افسانے سنائے اور پھر درخواست کی کہ میں ان افسانوں کے مجموعے کا نام تجویز کروں۔ میں نے کہا "پانچ ڈاکے" بہت اچھا نام ہے۔ وہ ذرا حیران سے ہوئے۔ مگر میں نے نام ٹھیک تجویز کیا تھا۔ کیونکہ پانچوں کے پانچوں افسانے کسی نہ کسی انگریزی یا اُردو افسانہ نویس کے چرائے ہوئے تھے۔

ایک اور صاحب ایک دن مجھے افسانہ سناتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ یہ افسانہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انھوں نے پریم چند کے رنگ میں لکھا ہے۔ افسانہ سننے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ "رنگ"
کا مطلب یہ حضرت سو فی صدی نقل لیتے ہیں۔ کیونکہ افسانہ میں کرداروں تک کے نام
وہی تھے جو پریم چند کے افسانہ میں تھے۔ میرے ایک دُور کے رشتے دار کو بھی سنانے کا
مرض لاحق ہے۔ آپ کو یہ وہم ہے۔ کہ آپ اردو افسانہ نویسی میں ایک نئے دَور کے بانی
ہیں۔ آپ افسانہ سنانے سے پہلے اُس کے متعلق ایک لمبی چوڑی تمہید سناتے ہیں۔ ایک
افسانے کے بارے میں فرمانے لگے۔ کہ اس افسانے کو لکھنے کا خیال انھیں رات کے
دو بجے آیا۔ چنانچہ اسی وقت کوٹھے سے اُتر کر نیچے بیٹھک میں آئے۔ لیمپ روشن کیا
اور افسانہ لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک دو پہرے داروں نے "چور چور" کا شور برپا کر دیا
آپ اُٹھے اور اُن کو زبردست ڈانٹ بتائی۔ اس تمہید کے بعد انھوں نے اپنا افسانہ سنایا
جو کہ پروفیسر احمد علی کی کتاب "شعلے" میں سے حرف بحرف نقل کیا گیا تھا۔ یہی حضرت
کبھی کبھی انسانوں کی بجائے جانوروں کے متعلق افسانے لکھتے ہیں۔ اور دعویٰ سے کہتے ہیں
کہ اُردو ادب میں آپ کو ایسے افسانے بہت کم ملیں گے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور
شاید اسی لئے اُردو ادب زندہ ہے۔ آپ نے ایک افسانے کا ہیرو بھیڑیا بنایا
ہے اور ہیروئن ایک لومڑی۔ ان دونوں میں جو راز و نیاز ہوتے ہیں۔ اُن کو آپ نے
اچھی طرح واضح کیا ہے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ کہ دیکھئے کہ بھیڑیا فطرتاً سفاک ہوتا ہے
اور لومڑی فطرتاً مکار۔ مگر محبت کے پاکیزہ رشتے میں آ کر بھیڑیا اپنی ریاکاری کو بھول
جاتا ہے۔ اور لومڑی اپنی مکاری کو فراموش کر دیتی ہے۔" اس قسم کے آپ نے متعدد
افسانے لکھے ہیں اور ہر ایک میں کسی جنگلی جانور کے کارنامے بیان کئے ہیں۔ آپ کا
خیال ہے کہ اب افسانہ نویسوں کو جنگل کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جانوروں کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نفسیاتی الجھنیں افسانے کے لئے نہایت دلچسپ مواد پیش کرتی ہیں۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنا افسانہ "چیتے کی کشمکش" مجھے پڑھ کر سنایا۔ وہ افسانہ بقول اُن کے آپ نے چیتے کے دماغ میں گھس کر لکھا تھا۔ میں نے ازراہِ ہمدردی کہا "آپ جانوروں کو خوب سمجھتے ہیں۔ اگر افسانہ نویسی چھوڑ کر سرکس کی نوکری کرلیں۔ تو اُردو ادب اور آپ کے لئے نہایت مفید ثابت ہو۔" اس کے بعد وہ مجھے کبھی افسانہ سنانے نہیں آئے۔

الغرض ان مریضوں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہے اور آپ کے بہت سے دوست اس کا شکار ہیں۔ اگر انھیں یہ مرض لاحق نہ ہوتا۔ تو شاید وہ ملک یا قوم یا آپ کی کچھ خدمت کر سکتے۔ مگر اب صرف شاعر یا افسانہ نویس بن کر رہ گئے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُردو افسانہ نویسی کے چند نمونے

یہ مضمون صرف عام پڑھے لکھے آدمیوں کی راہنمائی
کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس سے مجھے کسی شخص کی
دلآزاری یا دل شکنی مطلوب نہیں

تمہید:-

گذشتہ چند سالوں میں اُردو افسانہ نویسی نے قابلِ رشک ترقی کی ہے۔ کسی زمانے میں اُردو ادب پر شعرا کا تسلط تھا۔ آج کل شعرا کی جگہ افسانہ نویسوں نے لی ہے شاید یہی وجہ ہے۔ کہ اگرچہ ہمیں مرحوم علامہ اقبال کا نعم البدل نہیں مل سکا۔ لیکن مرحوم منشی پریم چند کے ایک سے زیادہ جانشین پیدا ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اپنی جانشینی کا اخبارات و رسائل میں اعلان بھی کر دیا ہے۔ مثلاً ایک صاحب منشی پریم چند کی جانشینی کے اس لئے حق دار ہیں کہ وہ دیہات کے متعلق افسانے لکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ وہ اپنے کسی افسانے میں دیہات کی فضا کا صحیح نقشہ پیش نہیں کر سکے۔ مگر اُن کا دعویٰ ہے کہ ان کے ہر افسانے میں ہل۔ بیل اور اُپلے کے الفاظ آپ کو ضرور ملیں گے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جن سے آپ کی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حضرت منشی پریم چند کے اس لئے جانشین ثابت ہوئے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہر ایک افسانے میں ساس اور بہو کی لڑائی کو زوردار الفاظ میں بیان کیا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک افسانہ نویس کسی نہ کسی وجہ سے اگر پریم چند کا جانشین نہیں تو ثانی ضرور ہے۔ یہ امر جہاں اردو ادب کے لئے خوشی کا موجب ہے وہاں عام پڑھے لکھے آدمی کے لئے پریشانی کا باعث بھی ہے۔ کیونکہ آج کل افسانے اس تعداد میں اور اس کثرت سے لکھے جا رہے ہیں کہ اگر انھیں ایک قطار میں کھڑا کیا جائے تو شاید اُن کا سلسلہ لاہور سے لے کر حیدرآباد دکن تک پھیلتا ہوا نظر آئے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ موجودہ دور کے افسانوں کو سمجھنے کے لئے اُن کے چند نمونے پیش کئے جائیں۔

۱۔ ترقی پسند افسانے

سب سے پہلے ترقی پسند افسانے ہیں یہ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی وہ قسم ہے۔ جس میں ایک مزدور پر حد سے زیادہ ظلم ڈھایا جاتا ہے۔ اور آخر میں اُسے مار کر پڑھنے والے کے دل میں اُس کے لئے ہمدردی پیدا کی جاتی ہے۔ عموماً یہ مزدور تار کے کھمبوں یا پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر کر مرتے ہیں۔ کئی دفعہ سڑک پر پتھر کوٹتے ان کو دمہ یا تپدق کا شدت سے دورہ پڑتا ہے۔ اور ان کے تھوک میں لال رنگ کی ایک گہری لکیر دیکھی جاتی ہے۔ بعض دفعہ ان کو اس قدر بید یا چابک لگائے جاتے ہیں کہ وہ کھڑے کھڑے مرجاتے ہیں۔ یہ ترقی پسند افسانہ نویسی کی سب سے پہلی منزل ہے یا یوں سمجھئے کہ اس قسم کے افسانے صرف پچیس فی صدی ترقی پسند ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس سے زیادہ ترقی پسند افسانے وہ ہیں۔ جن میں مزدور پر ظلم اور مزدور کی عورت سے عشق کیا جاتا ہے۔ ان افسانوں میں عموماً سرمایہ دار سرمک کو ٹنے والی۔ کارخانوں میں کام کرنے والی۔ اور گھر میں برتن صاف کرنے والی مزدور عورتوں کو پھسلانے کی کوشش کرتا ہے اور عموماً اُن کو روپے یا رشوت کا لالچ دے کر ان کی عصمت پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ یہ پچاس فی صدی ترقی پسند افسانے ہیں۔

اس کے بعد وہ افسانے ہیں۔ جن میں مزدور، سرمایہ دار کی بیوی سے عشق کرتا ہے عموماً یہ مزدور ایسے بوڑھے سرمایہ دار کے گھر ملازم ہوتا ہے۔ جس نے بڑھاپے میں دوسری یا تیسری شادی کرنے کی غلطی کی ہے۔ چند دن کے راز و نیاز کے بعد یہ مزدور اپنے مالک کی بیوی کو لے کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ یا موقع پا کر بوڑھے سرمایہ دار کو زہر وغیرہ کھلا کر اپنا راستہ صاف کر لیتا ہے۔ سو فیصدی ترقی پسند افسانے وہ ہیں۔ جن میں بھائی بہن سے یا بیٹا ماں سے عشق کرتا ہے۔ عموماً یہ بھائی اور بہن نہایت تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر فرائڈ کا غور سے مطالعہ کیا ہوتا ہے۔ اور اُن کی نظر میں بہن، بہن نہیں بلکہ ایک عورت ہوتی ہے۔ ان افسانوں کو لکھنے والے عموماً وہ نوجوان یا رنڈوے مصنّف ہوتے ہیں جن کی کسی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی۔ یا جن کی ماں اور بہن اس قدر خوبصورت ہیں کہ وہ گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی غیر مرد ان کے ساتھ محبت کر سکے۔ وہ ایسے افسانے لکھتے وقت بھول جاتے ہیں کہ یہ ہندوستان ہے۔ جہاں آئندہ دو ہزار سال تک سوائے اپنی بیوی کے کسی اور عورت سے عشق نہیں کیا جا سکتا۔ سو فیصدی ترقی پسند افسانوں میں وہ افسانے بھی شامل ہیں جن میں مصنّف اپنے ذاتی تجربات کسی اور شخص کی زبان سے بیان کرتا ہے۔ اس میں عموماً مصنّف کے طوائفوں کے پاس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جانے یا بھکارنوں کے بھکانے کے واقعات نہایت صاف گوئی سے لکھے جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو اتنا بتانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا کہ آج کل مصنف کن جنسی امراض میں مبتلا ہے۔

۲۔ جذباتی افسانے

ترقی پسند افسانوں کے بعد جذباتی افسانے آتے ہیں۔ جذباتی افسانوں میں جذبات اور احساسات کی شدت کو نمایاں طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ مختلف جذبوں کے زیر اثر افسانے کے کردار عجیب و غریب حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں مثلاً ایک افسانے میں سریش کو جب پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے نرملا سے شادی نہیں کر سکتا۔ تو وہ نرملا کو اس طرح مخاطب کرتا ہے "نرملا۔ تم آج سے میری بہن ہو" "تمھاری بہن؟" نرملا نے گھبرا کر کہا۔ "ہاں ہاں میری بہن" سریش نے بہن کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "میں سچ کہہ رہا ہوں تم آج سے میری بہن ہو۔ کاش تم عمر میں مجھ سے پانچ دس سال بڑی ہوتیں۔ اور میں تمھیں 'ماں' کہہ سکتا" اسی طرح ایک افسانے میں دو بھائی ایک ہی لڑکی سے محبت کرتے ہیں۔ مگر جب چھوٹے بھائی کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بڑا بھائی ان دونوں کی مشترکہ محبوبہ سے شادی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ تو وہ مندر میں دیوی یا دیوتا کے سامنے اس لڑکی کا ہاتھ اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ میں دے کر خود سادھو بن کر زندگی گذارنے کا حلف اٹھاتا ہے جذباتی افسانوں میں قہقہے، آنسو، سسکیاں، قسمیں، ہچکولے کثرت سے پائے جاتے ہیں عموماً انجام خودکشی ہوتا ہے اور محبت کے دیوتا کے سامنے عجیب و غریب قربانیاں دی جاتی ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۳۔ دیہاتی افسانے

جذباتی افسانوں کے بعد ایک آدھ نمونہ دیہاتی افسانوں کا بھی ملاحظہ فرمائیے۔
یہ افسانے اپنے دلکش ماحول اور طرزِ تحریر کی سادگی کی وجہ سے بیحد مقبول ہیں۔ ان میں یہ کوشش کی جاتی ہے۔ کہ کوئی ایسی بات۔ تحریر نہ کی جائے جو غیر فطری یا غیر دیہاتی ہو۔ چنانچہ تشبیہیں۔ استعارے۔ محاورے سب دیہاتی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ احساسات تک دیہاتی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیگماں کا قد کماد کے پودے کی طرح لمبا۔ اس کے گال ٹماٹر کی طرح سرخ تھے۔ اس کی آنکھیں جگنو کی طرح چمکتی تھیں۔ اور اس کی باتیں شکر سے زیادہ میٹھی تھیں۔ جب وہ اپلے بناتی تو اس کے گوبر سے لت پت ہاتھ اس طرح معلوم ہوتے جیسے کسی دلہن نے دل کھول کر مہندی لگائی ہے۔ اس وقت شیرو اس کو دیکھ کر اس طرح بیتاب ہو جاتا ہے جس طرح گائے سے ملنے کے لئے بچھڑا۔ وہ اپنا ہل کندھوں سے اتار کر پھینک دیتا۔ اور بیگماں کی طرف اس طرح دیکھتا۔ گویا وہ بیگماں نہیں بلکہ کپاس کا خوبصورت پھول ہے۔ اس وقت اس کے دل میں خیال آتا کہ وہ بیگماں کو اپنے مضبوط بازوؤں میں پکڑ لے اور اُسے اس زور سے بھینچے کہ اُس کا چہرہ انار کے پھول کی طرح سرخ ہو جائے۔

۴۔ نفسیاتی افسانے

جذباتی اور دیہاتی افسانوں کے بعد ہم نفسیاتی افسانوں کو لیتے ہیں۔ ان افسانوں میں ہیرو یا ہیروئن کی دماغی کشمکش کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اکثر یہ دکھایا جاتا ہے کہ جس وقت انسان سوچنے لگتا ہے۔ تو اس کے خیالات کا سلسلہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک ٹیڑھی لکیر کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک ہی سیکنڈ میں معشوق۔ ڈاک خانے اور ہوائی جہاز کا تصور کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک نفسیاتی افسانے کا ہیرو جس کو اُس کی محبوبہ نے کاٹھ کا اُلّو کہا ہے۔ سڑک پر جا رہا ہے۔ اُس کے محسوسات یا احساسات کو اس طرح بیان کیا جائے گا۔

"اُس نے سوچا۔ کیا وہ سچ مچ کاٹھ کا اُلّو ہے۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا حتیٰ کہ اُسے اپنے کاٹھ کے اُلّو ہونے کا کچھ کچھ یقین ہونے لگا۔ اُلّو' اس نے دل میں کہا۔ اُلّو کوئی خاص برا پرندہ نہیں۔ خدا جانے اس کو لوگوں نے مفت میں کیوں بدنام کر رکھا ہے۔ اُلّو ایک زاہد کی طرح الگ تھلگ زندگی بسر کرتا ہے۔ زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر۔ مسجد ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں آج صبح اُس نے مسجد کے پاس ایک خوبصورت لڑکی دیکھی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شراب پینے دے مسجد میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسے شراب چھوڑے کتنی مدت ہو گئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کتنا خوبصورت شعر ہے"

اسی طرح ان افسانوں کی ایک قسم وہ ہے۔ جس میں تجزیۂ نفس کیا جاتا ہے۔ مثلاً "حمید حیران تھا کہ اُسے اپنی بیوی سے نفرت کیوں ہے۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اُس کی بیوی رضیہ کوئی خاص بدصورت بھی نہیں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اُس کے نزدیک آتے ہی اس کی روح لرزنے لگتی۔ اور اس کا جی چاہتا کہ وہ دوڑ کر اپنے ہمسائے کے گھر پناہ گزین ہو" اس طرح لکھنے کے بعد ہمیں اشاروں میں بتایا جاتا ہے کہ دراصل بات یہ تھی کہ جب حمید اور رضیہ بچپن میں ایک دوسرے سے کھیلا کرتے تھے۔ تو رضیہ حمید کو بُری طرح پیٹا کرتی تھی۔ اور جب حمید دو برس کا خوبصورت بچہ تھا۔ تو ہمسائے کی عورتیں اُسے نہایت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیار سے گود میں لیا کرتی تھیں۔ ان بچپن کے واقعات نے حمید کے دل و دماغ پر ایسا گہرا تاثر چھوڑا کہ بڑا ہو کر اسے ہمسائے کی عورت خوبصورت اور اپنی بیوی بدصورت نظر آنے لگی۔

تیسری اور آخری قسم نفسیاتی افسانوں کی وہ ہے۔ جس میں خیالات کا لامتناہی سلسلہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ افسانے میں کہانی کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔ مثلاً کہانی کا ہیرو بازار میں سے گذر رہا ہے۔ ایک دکان پر وہ ایک خوبصورت لڑکی کو رومال خریدتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور اس کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس رنگ کا لڑکی نے رومال خریدا ہے۔ وہ رنگ اسے نہایت مرغوب ہے۔ دوسری دکان پر وہ ایک نئے شادی شدہ جوڑے کو کچھ آرائش کی اشیاء خریدتے ہوئے دیکھتا ہے اور اس کے دل میں عجیب و غریب خیالات آتے ہیں۔ مثلاً دلہن دولہا سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اُسے نہ صرف ساڑھی پہننے کا سلیقہ ہی آتا ہے۔ بلکہ اُسے ساڑھی کا کنارا چننے میں بھی کمال حاصل ہے۔ اس کے آویزے گو قیمتی نہیں مگر خاص بُرے بھی نہیں۔ اس دکان سے وہ ایک ہوٹل میں جاتا ہے۔ جہاں ہوٹل کی خادمہ کو دیکھ کر اُسے اپنی محبوبہ یاد آجاتی ہے ہوٹل سے نکلتے ہی وہ ایک بھکارن کو دیکھتا ہے۔ جو پھٹے پرانے کپڑے پہننے کے باوجود اُسے نہایت دلکش نظر آتی ہے۔ وہ اس کی ہتھیلی پر ایک آنہ رکھ دیتا ہے اور آہستہ سے پوچھتا ہے کیا تم شادی شدہ ہو۔ مگر بھکارن کا جواب سنے بغیر وہ آگے چلا جاتا ہے۔ بازار کے موڑ پر وہ ایک پاگل آدمی کو سکول کے لڑکوں میں گھرا ہوا دیکھتا ہے اور اُسے پکڑ کر گھر لے آتا ہے۔

اس قسم کا افسانہ پڑھتے وقت آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ شاید کہانی اگلے صفحہ پر شروع ہوگی۔ مگر ع این خیال است و محال است و جنوں۔ آپ بیشک انتظار کرتے جائیں کہانی کا ہیرو ہرگز کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جس سے پلاٹ میں باقاعدگی پیدا ہونے کا خطرہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو۔ افسانہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور آپ کی مایوسی غصے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے افسانے عموماً "دو فرلانگ لمبا بازار" یا "دس منٹ بازار میں" کے عنوان سے یاد کئے جاتے ہیں اور موجودہ دور کے افسانوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

۵۔ حقیقت نگاری

موجودہ افسانوں کی ایک قسم وہ ہے جس میں حقیقت نگاری کو معراج پر پہنچایا جاتا ہے۔ اس قسم کے افسانوں میں ہر ایک چیز تفصیل سے بیان کی جاتی ہے۔ اور جزئیات اس افراط سے دئے جاتے ہیں کہ بعض دفعہ پڑھنے والے کا سر چکرا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری گلی میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ ہماری گلی کا طول ۷۰ فٹ ۸۔۱ انچ اور عرض ۲۰ فٹ ۴۔۱ انچ ہے گلی کا فرش نہایت خستہ حالت میں ہے۔ جگہ جگہ اینٹیں اکھڑی پڑی ہیں۔ ایک جگہ تو ایسا گڑھا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے پُر کرنے کے لئے ۲۰۰۔ اینٹیں درکار ہیں۔ جو بزرگ ہماری گلی میں رہتے ہیں۔ اُن کی عمر ساٹھ سال آٹھ ماہ ہے۔ ان کی داڑھی کے ستر فی صدی بال سفید ہو چکے ہیں۔ وہ ایک لال رنگ کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ جس پر تقریباً ایک سو بیس دھبے گرد اور تیل کے ہوں گے۔ یہ بزرگ ہر روز صبح ۶ بج کر پچاس منٹ پر اپنے کتے کو ساتھ لیکر سیر کو جاتے ہیں۔ ان کے کتے کا رنگ خاکی مائل سیاہ ہے۔ قد کوئی دس انچ اور دم ۳۔۱ انچ ہو گی۔ سیر کرتے وقت پہلے پانچ منٹ میں یہ کتا ان بزرگ کے سامنے دوڑتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ ان کے پیچھے ہو لیتا ہے" وغیرہ وغیرہ

چنانچہ اس قسم کے افسانوں میں کوئی فقرہ بغیر تشریح کے نہیں لکھا جاتا۔ مثال کے طور پر صرف اتنا ہی لکھنا کافی نہیں کہ "میں نے سیب کاٹا" یہ فقرہ اس طرح لکھا جائے گا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس نے اپنے کوٹ کی دائیں جیب سے بہت دیر ٹٹولنے کے بعد چاقو کی بجائے پنسل نکالی وہ پھر جیب میں چاقو ڈھونڈھنے لگا۔ چند منٹوں میں وہ چاقو نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ چاقو اس نے وزیر آباد میں ایک روپیہ دس آنے میں خریدا تھا۔ اس کا دستہ ہڈی کا اور پھل فولاد کا تھا۔ اس نے چاقو سیب پر رکھا۔ مگر سیب پھدک کر ایک طرف کو سرک گیا اور جلدی میں اس نے سیب کی بجائے اپنی انگلی کاٹ ڈالی۔"

اسی طرح یہ فقرہ۔ کہ مغرب میں سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس طرح ادا کیا جائیگا "افق کے اوپر روشنی کا ایک لال لال گولا بہت عرصہ تک ناچتا رہا۔ اس کے خونی ناچ سے لہو کی دھاریں دور دور تک پھیلتی گئیں۔ یہ دھاریں آہستہ آہستہ لال رنگ کی لکیروں میں تبدیل ہوتی گئیں۔ کچھ دیر کے بعد ان لکیروں کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہو گیا۔ اب گولے کی جگہ ایک سیاہ رنگ کے طوق نے لے لی۔ یک لخت یہ طوق افق سے اُبھرا اور پھر اس نے افق سے نیچے چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا۔"

۶۔ رومانی افسانے

اب آخر میں کچھ رومانی افسانوں کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ رومانی افسانوں کا پسِ منظر عموماً کشمیر کی وادی، ڈل لیک یا دریائے جہلم ہوتا ہے۔ ان میں ناؤ یا شکارے میں بیٹھ کر عشق کیا جاتا ہے۔ اکثر چند روز بے تحاشا عشق کرنے کے بعد کہانی کا ہیرو گھر لوٹ آتا ہے۔ اور بیچاری معشوقہ گھل گھل کر مر جاتی ہے۔ یا اگر وہ زندہ رہتی ہے۔ تو اس کی زندگی بے رنگ و بو ہو جاتی ہے۔ اکثر رومان کا ان افسانوں میں یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ مصنف جو اب تک افلاس کی وجہ سے کشمیر نہیں جا سکا۔ اپنے آپ کو عالمِ خیال میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈل لیک میں ایک نہایت خوب صورت شکارے میں بیٹھا ہوا پاتا ہے اور اسے ایک ایسی کشمیری لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے جس کی شکل اُس نے کسی با تصویر رسالے میں دیکھی تھی۔ اس حقیقت کو نہایت رنگین فقرات میں چھپایا جاتا ہے۔ اور چنار، صنوبر، امیرا کدل، ہاؤس بوٹ کے الفاظ استعمال کر کے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ نہ صرف مصنف کشمیر گیا تھا بلکہ اس کا وطن یا مسکن کشمیر ہی ہے۔ بسا اوقات مصنف جنسی بھوک کا شکار ہوتا ہے چنانچہ وہ افسانوں میں خیالی معشوقوں سے افلاطونی محبت کرنے کے بعد نہیں جانتا۔ کہ اب اس کے بعد کیا کیا جائے۔ اگر ہیرو اور ہیروئن کی شادی کی جائے تو افسانہ رومانی نہیں رہتا۔ اور اگر ہیرو خود کشی کر لے تو افسانہ جذباتی بن جاتا ہے۔ اس لئے اس کا ہیرو کشمیر سے بھاگنے میں ہی مصلحت سمجھتا ہے۔ رومانی افسانوں میں وہ افسانے بھی شامل کئے جا سکتے ہیں جن میں کوئی بیمار ہسپتال کی نرس یا کسی ایسی شادی شدہ عورت سے جو تیمار داری کرنے کے لئے آئی ہو محبت کرتا ہے۔ جب کبھی اس کا درجہ حرارت ۱۰۴ یا ۱۰۵ سے اوپر جاتا ہے تو اسے عشق کا دورہ پڑ جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اُسے ٹائیفائڈ ہے یا عشق۔ چنانچہ ایک طرف اگر وہ ایڑیاں رگڑتا ہے تو دوسری طرف نرس کا ہاتھ اس زور سے بھینچتا ہے کہ وہ بے چاری درد کے مارے چلا اٹھتی ہے۔ مگر کوڑھ مغز ہونے کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتی کہ مریض اس سے اظہار عشق کر رہا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اخبار بینی

جس طرح گاؤں میں تقریباً ہر اَن پڑھ دیہاتی مزدور یا کاشت کار ہونے کے علاوہ "حکیم" ہوتا ہے۔ اسی طرح شہر میں ہر پڑھا لکھا شہری طالب علم یا کلرک ہونے کے علاوہ "اخبار بین" ہوتا ہے۔ مگر اخبار بینوں کی بھی جماعتیں ہیں۔ پہلی جماعت تو ان اشخاص کی ہے جو وقتاً فوقتاً میاں فضل کریم کے بک ڈپو کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ "السلام علیکم"، "خیر و عافیت" جیسی رسمی گفتگو کے بعد مالکِ دکان کے کاروبار میں سطحی قسم کی دلچسپی کا اظہار کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انھیں "فضل بک ڈپو" نہایت عزیز ہے۔ اس کے بعد اخبارات و رسائل اٹھا اٹھا کر یوں پڑھنا شروع کرتے ہیں گویا فضل بک ڈپو فضل بک ڈپو نہیں بلکہ پبلک لائبریری ہے جہاں صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔ مطالعے کے دوران میں میاں فضل کریم کی آنکھ بچا کر کوئی اچھا سا شعر یا کسی انگریزی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا پتہ اپنی ڈائری میں نوٹ کرتے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک رسالہ کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسے نہایت بے اعتنائی سے غلط جگہ پر رکھتے جاتے ہیں۔ جب علمی اور ادبی رسائل پڑھ چکے۔ تو فلمی رسائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اوہو! اسکرین نے کتنا ضخیم "ایکٹریس نمبر" نکالا ہے۔ بھئی سرورق پر ستارہ کی تصویر تو خوب زیب دے رہی ہے" اسے یہ کیا "فلم انڈیا" نے ابھی سالنامہ شائع کر دیا۔ ذرا دیکھیں۔ کوئی کام کی تصویر بھی ہے یا نہیں؟ اس طرح ایک دو گھنٹہ اخبار بینی کا شغل جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد میاں فضل کریم پر سوالات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے اور ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ ولایتی ڈاک کے آنے میں اس دفعہ اتنی تاخیر کیوں ہوئی۔ ان کے ڈپو میں "ٹرو سٹوری" "ٹرو رومانس" کیوں نظر نہیں آتے؟ رسالہ "ادبِ عالم" کیوں بند ہو گیا؟ چلتے چلتے انھیں یہ خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ "سویرا" کا دوماہی نمبر خوب ہے اور ہزاروں کی تعداد میں بکے گا۔ آخری جملے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ گو رسالہ ہزاروں کی تعداد میں بکے گا ہم کبھی ایک کاپی مول نہیں لیں گے۔

دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اخبار بینی کے لئے اپنے ہمسائے کے مرہونِ منت ہیں۔ اگر وہ ہوسٹل میں رہتے ہیں تو ایک ایسا ساتھی تلاش کرتے ہیں جو روزانہ اخبار خریدنے کا عادی ہو۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیتے ہیں "اٹھو بھائی اب تو پانچ بج گئے۔ ابھی تک بستر میں پڑے ہو"

آپ لیٹے لیٹے جواب دیتے ہیں "سونے بھی دو یار"

"واہ! سونے کی ایک ہی کہی۔ اجی اس وقت تک کون سوتا ہے۔ اچھا دروازہ کھولو۔ تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طوعاً و کرہاً آپ دروازہ کھولتے ہیں اور وہ کرسی پر دراز ہو کر ہنسنا شروع کر دیتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ آپ ان کی اس بدتمیزی کی داد دے سکیں۔ وہ میز پر پڑے ہوئے اخبار کو اٹھا کر اس کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد یہ حالت ہو جاتی ہے۔ گویا اخبار انھوں نے ہی خریدا تھا جس وقت گھڑی آٹھ بجاتی ہے۔ وہ چپکے سے اخبار میز پر رکھ کر اور "آج تو کوئی دلچسپ خبر نہیں" کہہ کر تشریف لے جاتے ہیں۔

بصورتِ دیگر اگر آپ گلی یا محلے میں رہتے ہیں تو وہاں بھی آپ کو کئی ایسے حضرات ملیں گے جو سالہا سال سے آپ سے اخبار مانگ کر پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ وقت بے وقت وہ آپ کی بیٹھک میں آ دھمکیں گے اور آپ کے ماتھے کے شکن کو دور کرنے کے لئے دو چار تعریفی یا ہمدردانہ فقرے جڑ دیں گے۔ مثلاً "اخاہ! نیا سوٹ پہنا ہے۔ کپڑا تو خوشنما ہے۔ سلا ہوا بھی اچھا ہے" یا "منی کا کیا حال ہے۔ چھوٹے میاں کی کھانسی میں کچھ افاقہ ہوا؟" آپ ان باتوں کا اصلی مقصد اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لئے آپ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ تہذیب بھی حد ہی ہے اور جو بات دل میں ہو وہ زبان پر نہیں لائی جا سکتی۔ ورنہ آپ انھیں کہہ سکتے ہیں "اجی منی مرے یا بچے۔ آپ کی بلا سے۔ چھوٹے میاں کو کھانسی ہو یا تپ دق، آپ تو اخبار پڑھنے آئے ہیں۔ سو اٹھائیے اور پڑھ لیجیے۔"

تیسری جماعت ان افراد کی ہے جو اخبار بینی کے لئے لائبریریوں کے محتاج ہیں۔ اس جماعت میں زیادہ تر ریٹائرڈ کلرک اور سال خوردہ وکلا ہوتے ہیں۔ یہ اصحاب اصل میں اخبار پڑھنے نہیں بلکہ وقت کاٹنے آتے ہیں۔ لائبریری کے کھلنے کے وقت سے ایک آدھ گھنٹہ پہلے یہ لائبریری کا طواف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ادھر دروازہ کھلا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُدھر یہ داخل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر کوئی نووارد سمجھ لیتے ہیں کہ شاید لائبریری کے انچارج بھی ہیں۔ ان کے پڑھنے کا طریق بھی نرالا ہے۔ یعنی ایک اخبار یا رسالہ گود میں ہے اور دو اخبار ہاتھ میں۔ حریص اتنے ہیں کہ کسی اور کو اس وقت تک اخبار نہ اٹھانے دیں گے جب تک الف سے لے کر ی تک سارا اخبار نہ پڑھ لیں۔ آپ نے جرأت کر کے ان کی گود میں پڑے ہوئے رسالے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انھوں نے عینک درست کر کے کچھ اس طرح خشم آلود نگاہوں سے آپ کی جانب دیکھا گویا کچا ہی چبا جائیں گے۔ آپ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور انھوں نے خالی ہاتھ رسالے پر رکھ لیا۔ اب آپ منتظر ہیں کہ وہ رسالہ ان کے پنجے سے چھوٹے اور آپ پڑھیں۔ مگر یہ محض وہم خیال ہے۔ کیونکہ بڑے میاں جب تک اس اخبار کا جو ان کے ہاتھ میں ہے مطالعہ نہیں کر لیتے رسالے کی باری نہیں آنے کی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ تنگ آکر چلے آتے ہیں۔ مگر جب بھی آتے ہیں تقریباً اسی قسم کے لوگوں کو رسائل اور اخبارات پر قابض پاتے ہیں۔

یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ یہ لوگ ہر ایک اخبار میں انھیں خبروں کو دوبارہ یا سہ بارہ پڑھ کر ایک عجیب خوشی محسوس کرتے ہیں اور گھر آکر اپنے احباب کے زمرے میں انھی خبروں کی بنا پر بڑے بڑے عالمانہ اور فاضلانہ تبصرے کرتے ہیں۔ عموماً سنسنی پیدا کرنے والی خبریں ان کا دل پسند موضوع ہوتی ہیں۔ "اجی سنا آپ نے مرادآباد میں ایک لڑکا لڑکی بن گیا۔ اجی پڑھا آپ نے بریلی میں عین شادی کے دن دلہن غائب ہوگئی۔ کیا کہا۔ آپ کو یقین نہیں آتا۔ سترہ تاریخ کا "احسان" اٹھا کر دیکھ لیجیے۔"

ان کے علاوہ اخبار بینوں کی ایک اور جماعت ہے کہ جس سے ریل گاڑی میں سابقہ پڑتا ہے۔ ایک دو باتصویر رسائل۔ ایک آدھ اخبار لے کر جونہی آپ ڈبے میں داخل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئے۔ چاروں طرف سے صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ یہاں بیٹھئے گا۔ یہاں آئیے گا۔ آپ سیٹ پر بیٹھے اور آپ کے ہم سفروں نے باری باری اخبارات اور رسائل مانگنے شروع کر دئے۔ حتیٰ کہ پانچ منٹ کے بعد آپ بالکل کورے رہ گئے۔ اور سوچنے لگے ابھی تو اخبار کھول بھی نہیں تھا۔ اگر یہی بات تھی تو اخبار خریدنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اب جوں جوں نئے آدمی نئے سٹیشنوں پر آتے جاتے ہیں آپکے اخبار پر نئے نئے حملے ہونے رہتے ہیں۔ اگر صفحہ نمبر ایک آپکے سامنے بیٹھے ہوئے مسافر کے ہاتھ میں ہے تو صفحہ نمبر دس ڈبے کے انتہائی کونے والے بزرگ پڑھ رہے ہیں۔ اور صفحہ نمبر بارہ کھینچا تانی میں آدھا آدھا ہو کر دو شریف آدمیوں کو محظوظ کر رہا ہے۔ تقریباً آپ کا تمام سفر اس انتظار میں گذر جاتا ہے کہ اخبار ملے اور آپ بھی ایک آدھ نمبر پڑھ لیں۔ اس اثنا میں اگر آپ کی آنکھ لگ گئی تو اخبار تک غائب ہو گیا۔ کیونکہ کوئی بزرگ غلطی سے یا اس وجہ سے کہ آپ کے اخبار کے سرورق پہ کسی ایکٹرس کی رنگین تصویر تھی اترتے وقت اخبار بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ بہرحال جب منزلِ مقصود آتی ہے۔ تو آپ اُٹھ کر اخبار کا ایک ایک ورق اکٹھا کرتے ہیں۔ لیکن پڑھنے والے ہیں کہ پھر بھی اخبار چھوڑنے میں نہیں آتے۔ جب آپ سٹیشن پر اترتے ہیں اور اخبار کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو پرسوں اترسوں کا کوئی پرانا پرچہ ہے یا ردی کے چند کاغذ ہیں۔ جن میں شاید آپ کوئی کپڑا یا کتاب لپیٹ کر لائے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قومی لباس

مسلم گنج

اجمیر

(۱)

ڈیئر پنڈت ہیرا لال

تسلیم۔ میں اس خط میں ایک نہایت اہم مسئلہ کے متعلق آپ سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ آپ آج کل بے کار ہیں اور آپ کے پاس کافی وقت ہے اس لئے امید ہے کہ آپ مجھے اپنی قیمتی رائے سے مستفید کریں گے۔ جیسا کہ آپ پر بخوبی روشن ہے قومی زبان کے مسئلہ پر اب کافی لے دے ہو چکی ہے۔ لاتعداد مباحثے کئے جا چکے ہیں۔ متعدد کانفرنسیں منعقد کی گئی ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کافی صلواتیں سنائی جا چکی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کا ذکر کرنا تو گڑے مردے اکھیڑنے کے مترادف ہو گا۔ مگر کیونکہ بدقسمتی سے ہم لوگ لیڈر واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے نچلا بیٹھنا ہماری سرشت میں داخل نہیں۔ اس لئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اب ہمیں کوئی نیا مشغلہ ڈھونڈنا پڑے گا۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ ہندوستان کے "قومی لباس" کے متعلق غور و خوض کیا جائے۔ آپ اِس بات کے متعلق ہرگز پریشان نہ ہوں کہ مجھے یا آپ کو اس مسئلہ پر غور و خوض کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ دراصل قومی مسائل کو منظرِ عام پر لانے کا ہر ایک لیڈر اہل ہے۔ اس لئے پیشتر اس کے کوئی اور لیڈر اس مسئلہ کو بحث کا مضمون بنائے کیوں نہ ہم ہی اسے اپنی شہرت کا وسیلہ بنائیں۔ میری دوسری تجویز یہ ہے کہ آج سے آپ مجھے نو کروڑ مسلمانوں کا واحد نمائندہ سمجھیں اور میں آپ کو ۲۰ کروڑ ہندوؤں کے تمدن کا محافظ۔

براہِ کرم اپنے خط میں چند عملی تجاویز پیش کریں کہ ہندوستان میں کس لباس کو قومی لباس کا نام دیا جائے۔

آپ کا مخلص

اکبر علی

(۲)

کرشن نواس

بنارس

مائی ڈیئر مولانا اکبر علی

آداب عرض۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ قومی لباس کا مسئلہ میرا مطلب ہے مشغلہ، نہایت دلچسپ ہے۔ واقعی قومی زبان کے متعلق اب کچھ لکھنا یا کہنا تحصیل حاصل ہے۔ دیگر یہ تو صاف ظاہر ہے کہ زبان کے مسئلہ سے لباس کا مسئلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ایک غیر ملک کا باشندہ جب ہمیں دیکھتا ہے۔ تو سب سے پہلے اس کی نظر ہمارے لباس پر پڑتی ہے نیز زبان کے متعلق تو ہم اس نقرے پر بھی عمل کر سکتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ے تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

میرا مطلب ہے۔ ہم چپ بھی سادھ سکتے ہیں تاکہ ایک غیر ملک کے باشندے کو یہ علم ہی نہ ہو کہ ہندوستان میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ مگر لباس کے متعلق ہم اپنی کمزوری کسی طرح بھی نہیں چھپا سکتے۔ اس لئے میں آپ سے متفق ہوں کہ ہندوستان کے لئے ایک قومی لباس تجویز کیا جائے۔

مجھے آپ کی دوسری تجویز سے کیا اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ مجھے تیس کروڑ ہندوؤں کی تہذیب کا محافظ تسلیم کرتے ہیں تو بھلا مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو نو کروڑ مسلمانوں کا واحد نمائندہ نہ تسلیم کروں۔

اب رہا عملی تجاویز پیش کرنے کا معاملہ تو سب سے پہلے ہمیں اُن مختلف قسم کے لباسوں کی فہرست مرتب کرنی چاہیئے جو ہندوستان میں رائج ہیں۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان میں کون سا لباس ہماری تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ ایک اور امر جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قومی لباس منتخب کرتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ صنفِ نازک نظر انداز نہ ہو جائے۔ اس لئے میرے خیال میں آپ مردوں کے لباس کی فہرست تیار کریں اور میں عورتوں کے لباس کی۔ ایک ہفتے کا عرصہ اس کام کے لئے کافی ہو گا۔

آپ کا خیر اندیش

ہیرا لال

(۳)

مسلم گنج

اجمیر

مائی ڈیئر ہیرا لال

تسلیم۔ آپ کے ارشاد کے بموجب میں مردوں کے لباس کی فہرست ارسال کر رہا ہوں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس فہرست کو تیار کرنے میں مجھے زیادہ ریسرچ نہیں کرنی پڑی کیونکہ جہاں تک لباس کا تعلق ہے میرا اپنا خاندان ایک اچھے خاصے عجائب گھر کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ والد بزرگوار اگلے وقتوں کے آدمی ہیں۔ اس لئے تہمد، کرتا اور پگڑی میں ملبوس رہتے ہیں۔ ان کی پگڑی کا طول "طول شب فراق" کے مانند کوئی حساب دان آج تک نہیں ماپ سکا۔ میں خود پکا مسلمان ہوں۔ اس لئے شلوار قمیص اور ترکی ٹوپی کے حق میں ہوں۔ بڑا لڑکا انگریزی دان اور انگریز پرست ہے۔ اس لئے پتلون۔ کوٹ۔ ہیٹ کا دلدادہ ہے۔ چھوٹا لڑکا علی گڈھ یونیورسٹی کا طالب علم ہے۔ اس لئے پاجامہ، شیروانی اور ترکی ٹوپی کا عاشق ہے۔ گھر میں دو نوکر ہیں جو تہمد اور بنیان میں گذارہ کرتے ہیں۔ ایک ماموں یونینیسٹ پارٹی کے رکن ہیں۔ وہ شلوار قمیص اور کلاہ کی جانب مائل ہیں۔ تین کم سن بچے ہیں جو عموماً ننگے ہی رہتے ہیں۔ اب صرف ایک قسم کا لباس باقی رہ جاتا ہے جو میرے خاندان کا کوئی فرد نہیں پہنتا اور وہ "لنگوٹی" ہے۔ یہ لباس ہندوستان میں مہاتما گاندھی کے علاوہ بہت کم لوگ پہنتے ہیں۔ مجھے اس میں کلام ہے کہ لنگوٹی کو لباس بھی کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بہرحال آپ کی واقفیت کے لئے لکھے دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ نے وعدہ کے بموجب عورتوں کے لباس کی فہرست تیار کر لی ہوگی۔ اگر نہیں تو جلد تیار کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم کسی تسلی بخش نتیجہ پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آپکا دوست

اکبر علی

(۴)

کرشن نواس

بنارس

مائی ڈیر اکبر علی

تسلیم۔ خط آپکا ملا۔ آپ کی ارسال کردہ فہرست قدرے غیر مکمل معلوم ہوتی ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ نے ہندوؤں کے لباس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور اس طرح تیس کروڑ ہندوؤں کے جذبات کو ٹھیس لگائی ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ کسی حد تک بہت سے ہندو بھی تقریباً بہت سی قسم کا لباس پہنتے ہیں جس قسم کا آپ کے خاندان کے افراد۔ مگر کم از کم لباسوں کی فہرست میں "دھوتی" کا ذکر ضرور آنا چاہیئے۔ کہ یہ ہندوؤں کا مقبول اور مرغوب لباس ہے۔ دیگر آپ نے ترکی ٹوپی اور کلاہ کا ذکر تو کیا۔ مگر کرسٹی ٹوپی کو بالکل فراموش کر دیا۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ہندوؤں کے پاس کلاہ کا اگر کوئی جواب ہے، تو وہ کرسٹی ٹوپی ہی ہے۔

اب رہا عورتوں کے لباس کا معاملہ۔ تو میں بھی آپ کے نقشِ قدم پہ چلتا ہوں اور اپنے خاندان سے ہی فہرست مرتب کرتا ہوں۔ دادی محترمہ پرانی وضع کی ہیں۔ اس لئے "لہنگا" قمیص اور دوپٹہ کو بہترین لباس خیال کرتی ہیں۔ میری اہلیہ دورِ جدید میں پیدا ہوئیں۔ اس لئے شلوار قمیص اور دوپٹہ کی طرف دار ہیں۔ بڑی لڑکی کالج میں پڑھتی ہے۔ اس لئے ساڑھی اور جمپر کے سوا باقی تمام لباسوں کو فضول سمجھتی ہے۔ چھوٹی لڑکی کرسچین سکول کی طالب علم ہے۔ اس لئے یورپین لباس پر جان دیتی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کی خالہ ہیں جو گاہے شلوار اور گاہے ساڑھی کے حق میں ووٹ دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دو ماما ئیں ہیں جو پھٹے پرانے کپڑوں سے اپنا تن ڈھانکتی ہیں۔ انھیں کسی قسم کا لباس پہننے سے عار نہیں بشرطیکہ انھیں وہ لباس بلا قیمت مہیا کیا جائے۔

امید ہے کہ آپ اس فہرست سے مطمئن ہوں گے۔

مخلص

ہیرا لال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۵)

مسلم گنج

اجمیر

ڈیر پنڈت جی

تسلیم۔ آپ کا خط ملا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت کے مقولے پر عمل کرتے ہیں۔ آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ میں نے دھوتی کا ذکر نہ کر کے تیس کروڑ ہندوؤں کے جذبات کو مجروح کیا۔ مگر عورتوں کے لباس کی فہرست تیار کرتے وقت آپ یہ بھول گئے کہ جب تک اس میں برقعہ کا ذکر نہ کیا جائے کوئی غیرت مند مسلمان اس فہرست پر ایمان نہیں لائے گا۔ یاد رکھئیے ہم مسلمان چاہے اور کسی معاملے میں دیگر اقوام سے پیچھے ہوں۔ جہاں تک غیرت کا سوال ہے ہم دنیا کی سب قوموں سے پیش پیش ہیں اس لئے اس فہرست میں برقعہ کا تذکرہ آپ ہی کو کرنا پڑے گا۔

اب رہا یہ سوال کہ ان متعدد لباسوں میں سے کون سا لباس منتخب کیا جائے تو میرے خیال میں جہاں تک مردوں کے لباس کا تعلق ہے۔ شلوار، کرتا، اور ترکی ٹوپی نہایت موزوں رہیں گے۔ کیونکہ شلوار ایک خالصتاً ہندوستانی چیز ہے میرا مطلب ہے کہ گو یہ افغانستان سے ہندوستان میں لائی گئی۔ مگر یہ اتنے عرصہ سے پہنی جا رہی ہے کہ اس کی اجنبیت زائل ہو چکی ہے۔ کرتا بھی سو فی صدی ہندوستانی ایجاد ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سوائے ہندوستان کے کسی اور ملک میں پہنا نہیں جاتا۔ ترکی ٹوپی کے ہندوستانی ہونے میں شاید کسی کو کلام ہو۔ مگر یہ ایسی خوبصورت چیز ہے کہ محض اس وجہ سے کہ کسی وقت ترکی میں پہنی جاتی تھی ہم اسے ترک نہیں کر سکتے۔ پاؤں کے لئے یقیناً جوتی ہی مناسب رہے گی۔ اب صنف نازک کے لباس کی طرف آئیے۔ یہاں بھی میری ناچیز

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جائے میں شلوار سے ابتدا اور دوپٹہ پر انتہا کی جائے۔ لازماً قمیص اس لباس میں شامل کرنی پڑے گی۔ امید ہے کہ آپ میری تجاویز سے متفق ہوں گے۔ اگر آپ کو مجھ سے اختلاف ہو تو لکھیں۔

مخلص

اکبر علی

(۶)

کرشن داس

بنارس

ڈیئر مولانا اکبر علی

آداب عرض۔ آپ کی تجاویز کا میں نے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قومی لباس تجویز کرتے وقت یہ فرض کر لیا ہے کہ ہندوستان میں صرف مسلمان بستے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو آخر آپ شلوار کی تعریف میں کیوں اس قدر رطب اللسان ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کوئی خود دار ہندو اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ شلوار کو جو ہندوؤں کے دور محکومی کی یادگار ہے، از سر نو فروغ دیا جائے۔ یہ شلوار ہی تھی جس نے دھوتی کی عظمت کو تباہ اور برباد کیا تھا۔ اس لئے میری قوم کبھی اس بات کو منظور نہ کرے گی کہ دھوتی کو سرے سے موقوف کر کے شلوار کو رائج کیا جائے۔ دوسری ناقابلِ عمل تجویز جو آپ نے پیش کی ہے۔ وہ ترکی ٹوپی کے متعلق ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ چیز ہم نے ترکوں سے مستعار لی۔ اس لئے یہ خالصتاً غیر ہندوستانی چیز ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ جس چیز کو خود ترکوں نے ترک کر دیا ہے آپ اسے ہندوستان میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مقبول کرانا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خود غازی کمال پاشا نے ترکی ٹوپی کے خلاف جہاد کیا اور آج کل بہت کم ایسے ترک ملیں گے جو ترکی ٹوپی کے مدّاح ہوں۔ میرے خیال میں آپ کی یہ تجویز نہ صرف جانبدرانہ ہے بلکہ متعصبانہ بھی۔ اور چونکہ میں تیس کروڑ ہندوؤں کی تہذیب کا محافظ ہوں اس لئے مجھے آپ کی اس تجویز سے سراسر اختلاف ہے۔ میرے خیال میں خالصتاً ہندوستانی چیز "دھوتی" ہے۔ یہ لباس پتھر اور دھات کے زمانے سے برابر ہندوستان میں پہنا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دیہات میں اس لباس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے میں یہ ترمیم پیش کرتا ہوں کہ شلوار کی بجائے مردوں کے لئے دھوتی اور عورتوں کے لئے ساڑھی تجویز کی جائے۔ ترکی ٹوپی کی بجائے کسی ہندوستانی ٹوپی (میری مراد گاندھی کیپ سے نہیں) یا پگڑی کو موقع دیا جائے۔ امید ہے کہ آپ جب ٹھنڈے دل سے اس ترمیم پر غور کریں گے۔ تو اس کی صداقت آپ پر عیاں ہو جائے گی۔

آپکا دوست

ہیرالال

(۷)

مسلم گنج

اجمیر

ڈیئر پنڈت جی

آداب عرض۔ آپ کی ترمیم نہایت فضول اور بے معنی ہے۔ اسے کوئی باوقار مسلمان منظور نہیں کرسکتا۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ میری قوم اتنی گئی گذری ہے کہ اپنے بزرگوں کے لباس کو دیدہ دانستہ صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ یاد رکھئے شلوار اسلامی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نشان و شوکت یعنی اسلامی عہدِ رنگین کی یادگار ہے۔ یہ فاتح مسلمانوں کا لباس ہے۔ یہ پٹھان اور مغل بادشاہوں کی چہیتی ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان دھوتی کو اس پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ دوسرے دھوتی ایک دیہاتی لباس ہے اور کوئی تعلیم یافتہ شہری اس لباس کو پسند نہیں کرے گا۔ آپ کا ترکی ٹوپی کے متعلق اعتراض بھی غیر معقول اور غیر وزن دار معلوم ہوتا ہے۔ اس ٹوپی کا نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک غیر جانبدارانہ چیز ہے۔ یعنی نہ ہندوؤں کی نہ مسلمانوں کی۔ بلکہ ترکوں کی۔ اگر آپ ہیٹ پہن سکتے ہیں۔ تو ترکی ٹوپی نے کیا گناہ کیا ہے۔ کہ آپ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ دیگر آپ نے عورتوں کے لئے ساڑھی تجویز کی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ساڑھی ایک نہایت قیمتی لباس ہے۔ جس کو صرف امیر آدمی ہی خرید سکتے ہیں۔ دوسرے ساڑھی کے فیشن اس سرعت سے بدلتے ہیں کہ بہت کم ہندوستانی عورتیں صحیح فیشن کی ساڑھی پہننے کا حق ادا کر سکتی ہیں۔ اس لئے آپ اپنی ترمیم پر پھر غور کریں۔ اور تعصب اور دلیل بازی کو بالائے طاق رکھ کر میری پہلی رائے منظور فرمائیں۔

آپ کا دوست

اکبر علی

(۸)

گوشن نواس

بنارس

مائی ڈیئر اکبر علی

تسلیم۔ آپ کا خط پڑھتے ہی میرا بلڈ پریشر (Blood Pressure) حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ میرے ڈاکٹر نے رائے دی ہے۔ کہ میں پالٹیکس سے کچھ عرصہ کنارہ کش

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو جاؤں۔ اس لئے آپ کے خط کا جواب کچھ دیر کے بعد دوں گا۔

آپ کا خیر اندیش

ہیرالال

(۹)

(تار)

صحت سے مطلع فرمائیے۔ پہلے خط کے جواب کا منتظر

اکبر علی

(۱۰)

(تار)

بلڈ پریشر (Blood Pressure) نارمل۔ خط کا جواب پرسوں تک۔

ہیرالال

(۱۱)

کرشن نواس

بنارس

مائی ڈیئر اکبر علی

آداب عرض۔ خدا کے فضل سے اب میرا بلڈ پریشر نارمل ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قومی لباس جیسا اہم مسئلہ صرف خط و کتابت سے طے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ کسی ملاقات کے موقع پر اس سوال کا تصفیہ کیا جائے۔ میں ممنون ہوں گا۔ اگر آپ میرے پاس بنارس ۱۵ ماہ حال کو تشریف لے آئیں۔ امید ہے کہ آپ کو کوئی عذر نہ ہو گا۔

ہیرالال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۱۲)

مسلم گنج

اجمیر

ڈیر پنڈت جی

تسلیم۔ مناسب یہ ہوگا کہ آپ اجمیر آجائیں۔ کیونکہ میری خودداری طبیعت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں چل کر آپ کے شہر آؤں۔

اکبر علی

(۱۳)

کرشن نواس

بنارس

ڈیر مولانا

تسلیم۔ اگر آپ بنارس نہیں آسکتے۔ تو میں بھی ایسا بے غیرت نہیں۔ کہ آپ کے پاس اجمیر دوڑتا آؤں۔ لہٰذا آپ اس بات کا فیصلہ کریں۔ کہ ملاقات کس طرح کی جائے۔

ہیرا لال

(۱۴)

مسلم گنج

اجمیر

مائی ڈیر ہیرا لال

تسلیم میرے خیال میں نہ آپ اجمیر آئیں۔ نہ میں بنارس آؤں۔ ہم دونو ایک دن دہلی میں کسی ہوٹل میں ملاقات کریں میری رائے میں اس طرح ہماری شانِ خودداری میں کوئی فرق نہیں آسکے گا۔

خیر اندیش۔ اکبر علی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۱۵)

(تار)

منظور ہے۔ دہلی۔ کناٹ ہوٹل ۔ ۲۰ ماہ حال

ہیرالال

(۱۶)

(ملاقات کے بعد)

مسلم گنج

اجمیر

مائی ڈیر ہیرالال

آداب عرض۔ دہلی میں جن امور کا فیصلہ ہوا تھا۔ وہ یہ تھے کہ ہفتے میں ہندوستانی عورتیں تین دن ساڑھی اور ۴ دن شلوار پہنیں۔ اور مرد ۴ دن دھوتی اور تین دن شلوار۔ نیز سر پر ہفتہ میں دو دن ترکی ٹوپی، تین دن پگڑی اور دو دن کرسٹی ٹوپی پہنی جائے۔ یورپین لباس کو بالکل ترک کیا جائے۔ اور ہندوستان کے تمام ہیٹ پتلون۔ کوٹ ٹائیاں اکٹھے کر کے جلا دئے جائیں۔ گو اس تصفیہ کو میں دہلی میں مان گیا تھا۔ مگر گھر پہنچ کر محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی سخت حق تلفی کی گئی ہے۔ نو کروڑ مسلمانوں کا واحد نمائندہ ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اپنی قوم کے جائز حقوق کی حفاظت کروں۔ اس لئے میں یہ ترمیم پیش کرتا ہوں کہ ہفتے میں عورتوں کو چار دن شلوار اور تین دن ساڑھی یا دھوتی پہننے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ ان چار دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور شامل کیا جائے۔ ترکی ٹوپی کے لئے بھی دو دن کی بجائے تین دن وقف کئے جائیں۔ امید ہے کہ آپ میری ان ترمیموں پر غور فرمائیں گے

آپکا خیر اندیش۔ اکبر علی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۱۷)

کرشن نواس

بنارس

مائی ڈیر مولانا!

تسلیم۔ آپ کی تجاویز سراسر لغو ہیں۔ دہلی کے تصفیہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

ہیرالال

(۱۸)

مسلم گنج

اجمیر

مائی ڈیر پنڈت جی

تسلیم۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ آپ میری تجاویز نامنظور کریں گے۔ دراصل ہندوؤں سے انصاف کی امید رکھنا ایک موہوم خیال ہے۔ میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تین دن کے اندر آپ نے میری ان تجاویز کو منظور نہ کیا۔ تو میں دہلی کے تصفیہ سے بالکل منحرف ہو جاؤں گا۔

اکبر علی

(۱۹)

کرشن نواس

بنارس

مائی ڈیر اکبر علی

آداب عرض۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ میں آپ کی تجاویز منظور کرنے سے قاصر ہوں مجھے نہایت رنج ہوگا اگر آپ دہلی کے تصفیہ سے انحراف کریں گے۔ گو اگر ایک طرح سے دیکھا جائے تو مجھے چنداں تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں ازل سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ ہم کسی بات کے متعلق متفق نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر قومی جھنڈے، قومی زبان، قومی گیت کے مسائل کو ہی لیجیے۔ خیر یہ تو اہم مسائل ہیں۔ ہم تو آج تک یہ فیصلہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں کر سکے۔ کہ ہمارا قومی نعرہ کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اختلاف ہماری گھٹی میں پڑا ہے۔ اس لئے اگر آپ دہلی کے تصفیہ کو رد سمجھیں گے۔ تو میں بھی خیال کروں گا کہ دیگر قومی مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی فی الحال ناقابلِ حل ہے۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔

اگر آپ کو کوئی عذر نہ ہو۔ تو ہماری یہ خط وکتابت ایسوسی ایٹڈ پریس کو دے دی جائے۔ تاکہ عوام اس کے مطالعہ سے مستفید ہو سکیں۔

جواب کا طالب

ہیرالال

(۲۰)

مسلم گنج

اجمیر

مائی ڈیر ہیرالال

تسلیم۔ آج سے اس خط وکتابت کو بند سمجھئے۔ میری طرف سے آپ کو کھلی اجازت ہے۔ کہ آپ یہ خط وکتابت پریس کو بھیج دیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ اس کے شائع ہوتے ہی ملک میں ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ اور کافی عرصہ "ساڑھی یا شلوار"۔ "دھوتی یا پتلون" کے عنوانوں کے تحت مضامین لکھے جائیں گے۔ اور ان مضامین میں ہم دونوں کا نام نہایت عزت اور احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ اس لئے آپ اپنی پہلی فرصت میں اس خط وکتابت کے شائع کرانے کا انتظام کریں۔ اگر میری فوٹو کی ضرورت سمجھیں۔ تو لکھیں۔ دوسری ڈاک میں بھیج دوں گا۔

مخلص

اکبر علی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غالبؔ جدید شعرا کی ایک مجلس میں

(دورِ جدید کے شعرا کی ایک مجلس میں مرزا غالبؔ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس مجلس میں تقریباً تمام جلیل القدر شعرا تشریف فرما ہیں، مثلاً ن۔م۔ راشدؔ، میراجیؔ، ڈاکٹر قربان حسین خالصؔ، میاں رفیق احمد خوگرؔ، راجہ عہد علی خاں، پروفیسر غیظ احمد غیظؔ، بکرما جیت ورماؔ، عبدالحی نگاہؔ وغیرہ وغیرہ۔ یکایک مرزا غالبؔ داخل ہوتے ہیں۔ ان کی شکل و صورت بعینہٖ وہی ہے جو مولانا حالیؔ نے "یادگارِ غالبؔ" میں بیان کی ہے۔ ان کے ہاتھ میں "دیوانِ غالبؔ" کا ایک نسخہ ہے۔ تمام شعرا کھڑے ہو کر آداب بجا لاتے ہیں۔)

غالبؔ: حضرات! میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے جنت میں دعوت نامہ بھیجا۔ اور اس مجلس میں مدعو کیا۔ میری مدت سے آرزو تھی کہ دورِ جدید کے شعرا سے شرفِ نیاز

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حاصل کروں۔

ایک شاعر:- یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے ورنہ ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

غالب :- رہنے بھی دیجئے اس بے جا تعریف کو۔ من آنم کہ من دانم۔

دوسرا شاعر:- تشریف رکھئے گا۔ کہئے جنت میں خوب گذرتی ہے۔ آپ تو فرمایا کرتے تھے۔ ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن۔

غالب :- (مسکرا کر) بھئی جنت بھی خوب جگہ ہے۔ جب سے وہاں گیا ہوں۔ ایک شعر بھی موزوں نہیں کر سکا۔

دوسرا شاعر:- تعجب! جنّت میں تو آپ کو کافی فراغت ہے۔ اور پھر ہر ایک چیز میسر ہے۔ پینے کو شراب۔ انتقام لینے کو پری زاد — اور اس پر یہ فکر کوسوں دور کہ

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

باوجود اس کے آپ کچھ لکھ......

تیسرا شاعر:- (بات کاٹ کر) سنائیے اقبالؔ کا کیا حال ہے۔

غالب :- وہی جو اس دنیا میں تھا۔ دن رات خدا سے لڑنا جھگڑنا۔ وہی پرانی بحث ؎

مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

پہلا شاعر:- میرے خیال میں وقت کافی ہو گیا ہے۔ اب مجلس کی کارروائی شروع کرنی چاہیئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسرا شاعر:- میں کرسئی صدارت کے لئے جناب م-ن-ارشد کا نام تجویز کرتا ہوں۔

(ارشد صاحب کرسئی صدارت پر بیٹھنے سے پہلے حاضرینِ مجلس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔)

م-ن-ارشد:- میرے خیال میں ابتدا مرزا غالب کے کلام سے ہونی چاہیئے..... میں نہایت ادب سے مرزا موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا کلام پڑھیں۔

غالب:- بھئی جب ہمارے سامنے شمع لائی جائے گی تو ہم بھی کچھ پڑھ کر سنا دیں گے۔

م-ن-ارشد:- معاف کیجئے گا۔مرزا۔اس مجلس میں شمع وغیرہ کسی کے سامنے نہیں جائے گی۔شمع کی بجائے یہاں پچاس کینڈل پاور کا لیمپ ہے۔اسکی روشنی میں ہر ایک شاعر اپنا کلام پڑھیگا

غالب:- بہت اچھا صاحب تو غزل سنئے گا۔

باقی شعرا:- ارشاد۔

غالب:- عرض کیا ہے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

(باقی شعرا ہنستے ہیں۔مرزا حیران ہو کر ان کی جانب دیکھتے ہیں)

غالب:- اجی صاحب یہ کیا حرکت ہے۔نہ داد نہ تحسین۔اس بے موقع خندہ زنی کا مطلب؟

ایک شاعر:- معاف کیجئے مرزا ہمیں یہ شعر کچھ بے معنی سا معلوم ہوتا ہے۔

غالب:- بے معنی؟

ہیرا جی:- دیکھئے نا مرزا آپ فرماتے ہیں ؎ خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو۔اگر مطلب کچھ نہیں تو خط لکھنے کا فائدہ ہی کیا۔اور اگر آپ صرف معشوق کے نام کے ہی عاشق ہیں۔تو تین پیسے کا خط برباد کرنا ہی کیا ضرور سادہ کاغذ پر اس کا نام لکھ لیجئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر قربان حسین خالص :- میرے خیال میں اگر یہ شعر اس طرح لکھا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔

خط لکھیں گے کیونکہ چھٹی ہے ہمیں دفتر سے آج
اور چاہے بھیجنا ہم کو پڑے بیرنگ ہی
پھر بھی تم کو خط لکھیں گے ہم ضرور
چاہے مطلب کچھ نہ ہو۔
جس طرح سے میری اک نظم کا۔
کچھ بھی تو مطلب نہیں۔
خط لکھیں گے کیونکہ الفت ہے ہمیں
میرا مطلب ہے۔ محبت ہے ہمیں
یعنی عاشق ہیں تمھارے نام کے

غالب :- یہ تو اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ میرے اس شعر کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہیرا جی :- جنوں! جنوں کے متعلق مرزا میں نے کچھ عرض کیا ہے اگر اجازت ہو تو کہوں۔

غالب :- ہاں، ہاں- بڑے شوق سے۔

ہیرا جی :-
جنوں ہوا - جنوں ہوا
مگر کہاں جنوں ہوا
کہاں ہوا، وہ کب ہوا
ابھی ہوا یا اب ہوا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں ہوں میں یہ جانتا
مگر جدیدیہ شاعری
میں کہنے کا جو شوق ہے
تو بس یہی ہے وجہ کہ
دماغ میرا چل گیا
یہی سبب ہے جو مجھے
جنوں ہوا۔ جنوں ہوا

غالب:۔ (ہنسی کو روکتے ہوئے) سبحان اللہ کیا برجستہ اشعار ہیں۔

م۔ ن۔ ارشد:۔ اب مرزا، غزل کا دوسرا شعر فرمایئے۔

غالب:۔ میں اب مقطع ہی عرض کروں گا۔ کہا ہے ؎

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عبدالحی نگاہ:۔ گستاخی معاف مرزا۔ اگر اس شعر کا پہلا مصرع اس طرح لکھا جاتا تو ایک بات پیدا ہو جاتی۔

غالب:۔ کس طرح؟

عبدالحی نگاہ:۔ عشق نے۔ ہاں ہاں تمہارے عشق نے
عشق نے سمجھے، تمہارے عشق نے
مجھ کو نکما کر دیا
اب نہ اٹھ سکتا ہوں میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور چل تو سکتا ہی نہیں
جانے کیا بکتا ہوں میں
یعنی نکما کر دیا
اتنا تمھارے عشق نے
گرتا ہوں اور اٹھتا ہوں میں
اٹھتا ہوں اور گرتا ہوں میں
یعنی تمھارے عشق نے
اتنا نکما کر دیا

غالب :- (طنزاً) بہت خوب بھئی غضب کر دیا۔
غیظ احمد غیظ :- اور دوسرا مصرع اس طرح لکھا جا سکتا تھا۔

جب تک نہ مجھ کو عشق تھا
تب تک مجھے کچھ ہوش تھا
سب کام کر سکتا تھا میں
اور دل میں میرے جوش تھا
اُس وقت تھا میں آدمی،
اور آدمی تھا کام کا
لیکن تمھارے عشق نے
مجھ کو نکما کر دیا

غالب :- واللہ۔ کمال ہی تو کر دیا بھئی۔ اب آپ لوگ اپنا کلام سنائیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

م۔ ن۔ ارشد:۔ اب ڈاکٹر قربان حسین خالص جو جدید شاعری کے امام ہیں اپنا کلام سنائیں گے۔

ڈاکٹر خالص:۔ اجی ارشد صاحب میں کیا کہوں۔ اگر میں امام ہوں تو آپ مجتہد ہیں۔ آپ جدید شاعری کی منزل ہیں اور میں سنگِ میل۔ اس لئے آپ اپنا کلام پہلے پڑھیئے۔

م۔ ن۔ ارشد:۔ توبہ توبہ! اتنی کسرِ نفسی۔ اچھا اگر آپ مُصر ہیں تو میں ہی اپنی نظم پہلے پڑھتا ہوں۔ نظم کا عنوان ہے "بدلہ" عرض کیا ہے۔

آمری جان مرے پاس انگیٹھی کے قریب
جس کے آغوش میں یوں ناچ رہے ہیں شعلے
جس طرح دور کسی دشت کی پہنائی میں
رقص کرتا ہو کوئی بھوت کہ جس کی آنکھیں
کرمِ شب تاب کی مانند چمک اٹھتی ہیں۔
ایسی تشبیہ کی لذت سے مگر دور ہے تُو
تو کہ اک اجنبی انجان سی عورت ہے جسے
رقص کرنے کے سوا اور نہیں کچھ آتا
اپنے بےکار خدا کے مانند

دوپہر کو جو کبھی بیٹھے ہوئے دفتر میں
خودکشی کا مجھے یک لخت خیال آتا ہے
میں پکار اٹھتا ہوں یہ جینا بھی ہے کیا جینا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور چپ چاپ دریچے سے پھر جھانکتا ہوں۔

آمری جان مرے پاس انگیٹھی کے قریب
تاکہ میں چوم ہی لوں عارضِ گل فام ترا
اور اربابِ وطن کو یہ اشارہ کر دوں
اِس طرح لیتا ہے اغیار سے بدلہ شاعر
اور شبِ عیش گذر جانے پر
بہر جمع درم و دام نکل جاتا ہے
ایک بوڑھے سے تھکے ماندے سے رہوار کے پاس
چھوڑ کر بسترِ سنجاب و سمور

(نظم سن کر سامعین پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ہیرا جی یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ یہ نظم اس صدی کی بہترین نظم ہے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ اگر ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس میں انگیٹھی، بھوت اور دفتر تہذیب و تمدن کی مخصوص الجھنوں کے حامل ہیں)

(حاضرین ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے زیرِ لب مسکراتے ہیں۔

غالب:- ارشد صاحب معاف کیجئے آپ کی یہ نظم کم از کم میرے فہم سے تو بالاتر ہے

حفیظ احمد حفیظ:- یہ صرف ارشد پر ہی کیا منحصر ہے مشرق کی جدید شاعری ایک بڑی حد تک مبہم اور ادراک سے بالاتر ہے:

م۔ن۔ ارشد:- مثلاً میرے ایک دوست کے اس شعر کو لیجئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۵ پاپوش کی کیا فکر ہے دستار سنبھالو پایاب ہے جو موج گذر جائے گی سر سے

اب بتایئے اس شعر کا کیا مطلب ہے ؟

غالب:۔ (شعر کو دہرا کر) صاحب سچ تو یہ ہے کہ اگرچہ اس شعر میں سر اور پیر کے الفاظ شامل ہیں۔ مگر باوجود اس کے اس شعر کا نہ سر ہے نہ پیر۔

م۔ ن۔ ارشاد:۔ اجی چھوڑیئے اِس حرف گیری کو۔ آپ اس شعر کو سمجھے ہی نہیں۔ مگر خیر اِس بحث میں کیا رکھا ہے۔ کیوں نہ اب ڈاکٹر قربان حسین خالص سے درخواست کی جائے کہ اپنا کلام پڑھیں۔

ڈاکٹر خالص:۔ میری نظم کا عنوان ہے "عشق" عرض کیا ہے۔

عشق کیا ہے ؟

میں نے اِک عاشق سے پوچھا۔

اُس نے یوں رو کر کہا

عشق اِک طوفان ہے

عشق اِک سیلاب ہے

عشق ہے اِک زلزلہ

شعلۂ جوالا ــــــ عشق

عشق ہے پیغامِ موت

غالب:۔ بھئی یہ کیا مذاق ہے۔ نظم پڑھیئے۔ مشاعرے میں نثر کا کیا کام ؟

ڈاکٹر خالص:۔ (جھنجھلا کر) تو آپ کے خیال میں یہ نثر ہے ؟ یہ ہے آپ کی سخن فہمی کا عالم اور فرمایا تھا آپ نے ؎ ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غالب:۔ میری سمجھ میں تو نہیں آیا کہ یہ کس قسم کی نظم ہے۔ نہ ترنم۔ نہ قافیہ۔ نہ ردیف۔

ڈاکٹر خالص:۔ مرزا صاحب۔ یہی تو جدید شاعری کی خصوصیت ہے۔ آپ نے اردو شاعری کو قافیہ اور ردیف کی فولادی زنجیروں میں قید کر رکھا تھا۔ ہم نے اس کے خلاف جہاد کر کے اسے آزاد کیا ہے۔ اور اس طرح اس میں وہ اوصاف پیدا کئے ہیں۔ جو محض خارجی خصوصیات سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ میری مراد رفعتِ تخیل۔ تازگیٔ افکار اور ندرتِ فکر سے ہے۔

غالب:۔ رفعتِ تخیل۔ کیا خوب۔ کیا پرواز ہے ؎

میں نے اِک عاشق سے پوچھا، اُس نے یوں رو کر کہا۔

ڈاکٹر خالص:۔ (چڑ کر) عاشق رو کر نہیں کہے گا تو کیا قہقہہ لگا کر کہے گا؟ مرزا آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ عشق اور رونے میں کتنا گہرا تعلق ہے۔

غالب:۔ مگر آپ کو قافیہ اور ردیف ترک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

رفیق احمد خوگر:۔ اس کی وجہ مغربی شعرا کا تتبع نہیں بلکہ ہماری طبعیت کا فطری میلان ہے جو زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شعر و ادب میں بھی آزادی کا جویا ہے۔ اس کے علاوہ دورِ جدید کی روح۔ انقلاب۔ کشمکش۔ تحقیق۔ تجسس۔ تعقل پرستی اور جد و جہد ہے۔ ماحول کی اس تبدیلی کا اثر ادب پر ہوا ہے۔ اور میرے اس نکتے کو کھینگرے نے بھی اپنی کتاب وٹیٹی فیئر میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ہم نے محسوس کیا کہ قدیم شاعری ناقص ہونے کے علاوہ روح میں وہ لطیف کیفیت پیدا نہیں کر سکتی جو مثال کے طور پر ڈاکٹر خالص کی شاعری کا جوہر ہے۔ قدیم شعرا اور جدید شعرا کے ماحول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قدیم شعرا بقول مولانا آزاد حسن و عشق کی حدود سے باہر نہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نکل سکے اور ہم جن میدانوں میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں نہ ان کی وسعت کی انتہا ہے اور نہ ان کے عجائب و لطائف کا شمار۔

غالب :۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا

م۔ن۔ ارشد :۔ خوگر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم ایک نئی دنیا میں رہتے ہیں۔ یہ ریڈیو، ہوائی جہاز اور دھماکے سے پھٹنے والے بموں کی دنیا ہے۔ یہ بھوک، بیکاری انقلاب اور آزادی کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر ہم اپنا وقت حسن و عشق گل و بلبل شیریں و فرہاد کے افسانوں میں ضائع نہیں کر سکتے۔ شاعری کے لئے اور بھی موضوع سخن ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ایک شاعر نے کہا ہے

آج تک سرخ و سیہ صدیوں کے سائے تلے
آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گذری ہے
موت اور زیست کی روزانہ صف آرائی میں
ہم پہ کیا گذرے گی۔ اجداد پہ کیا گذری ہے
یہ حسین کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا
یہ ہر اک سمت پُراسرار کڑی دیواریں
یہ بھی ہیں ایسے کئی اور بھی مضموں ہوں گے۔

راجہ مہدی علی خاں :۔ بہت خوب ”یہ بھی ہیں ایسے کئی اور بھی مضموں ہوں گے“
ایسے ہی مضامین میں سے ایک مضمون ”ڈاک خانہ“ ہے جو میری اس نظم کا جو میں ابھی آپ کے سامنے پڑھوں گا۔ موضوع ہے۔

غالب :۔ ڈاک خانہ؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

راجہ عہد علی خاں :۔ مرزا اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ سنئے عرض کیا ہے۔

ڈاک خانے کے ہے اندر آج اُف کتنا ہجوم
ڈالنے کو خط کھڑے ہیں کس قدر اُف آدمی
ان میں ہر اک کی تمنا ہے کہ وہ
ڈال کر جلدی سے خط یا پارسل
بھاگ کر دیکھے کہ اُس کی سائیکل
ہے پڑی باہر جہاں رکھ کر اُسے
ڈاک خانے میں ابھی آیا تھا وہ خط ڈالنے
جا رہے ہیں خط چہار اطراف کو
بمبئی کو، مصر کو، لندن کو، کوہِ قاف کو
دیکھنا آئی ہے اِک عورت لفافہ ڈالنے
کون کہتا ہے کہ اک عورت ہے یہ
یہ تو ہے لڑکا کسی کالج کا کہ
جس کے بال
خد و خال
اس قدر ملتے ہیں عورت سے کہ ہم
اُس کو عورت کا سمجھتے ہیں بدل
اُف ہماری لغزشیں
ہے مگر کس شخص کا یہ سب قصور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا نظر میری نہیں کرتی ہے کام

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا

یا ہمارے ہے تمدّن کا قصور

کہ ہمارے نوجوان

ڈاک خانے میں ہیں جب آتے لفافہ ڈالنے

اس قدر دیتے ہیں وہ دھوکا ہمیں

کہ نظر آتے ہیں ہم کو عورتیں

(نعروں کی داد دی جاتی ہے۔ ہر طرف سے مرحبا۔ بھئی کمال کر دیا کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مرزا غالب کی سراسیمگی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے)

م۔ ن۔ ارشد:۔ اب میں ہندوستان کے مشہور شاعر پروفیسر غنیظ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے تازہ افکار سے ہمیں نوازیں۔

پروفیسر غنیظ:۔ میں نے تو کوئی نئی چیز نہیں لکھی۔

ہیرا جی:۔ تو پھر وہی نظم سنا دیجئے جو پچھلے دنوں ریڈیو والوں نے آپ سے لکھوائی تھی۔

پروفیسر غنیظ:۔ آپ کی مرضی تو وہی سن لیجئے۔ عنوان ہے "لگائی"

فون پھر آیا دلِ زار! نہیں فون نہیں

سائیکل ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا

ڈھل چکی رات اترنے لگا کھمبوں کا بخار

کمپنی باغ میں لنگڑانے لگے سرد چراغ

تھک گیا رات کو چلّا کے ہر اک چوکیدار

گلی کے [illegible]

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یاد آتا ہے مجھے سرمئی دنبالہ دار
اپنے بے خواب گھروندے ہی کو واپس لوٹ تو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

(نظم کے دوران میں اکثر مصرعے دو دو بلکہ چار چار بار پڑھوائے جاتے ہیں اور پروفیسر غیظ بار بار مرزا غالب کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مرزا غالب مبہوت ہیں)

م۔ن۔ ارشد:۔ حضرات میرے خیال میں یہ کوئی عشقیہ نظم نہیں ہے بلکہ اس میں شاعر نے ملک کے اینٹی فائشسٹ جذبے کو خوب نبھایا ہے۔

رفیق احمد:۔ (سرگوشی کے انداز میں ہیراجی سے) بکواس ہے!

م۔ن۔ ارشد:۔ اب ہیراجی اپنا کلام پڑھیں گے۔

ہیراجی:۔ میری نظم کا عنوان ہے "بینگن"

غالب:۔ بینگن؟

ہیراجی:۔ بینگن۔ اگر آپ آم کی صفت میں قصیدہ لکھ سکتے ہیں۔ تو کیا بندہ بینگن پہ نظم لکھنے کا حقدار نہیں۔

غالب:۔ معاف کیجئے گا۔ نظم پڑھیئے۔

ہیراجی:۔ عرض کیا ہے:۔

چنچل بینگن کی چھب نیاری
رنگ میں تم ہو کرشن مراری
جان گئی ہیں سکھیاں پیاری
رادھا راتی آ ہی گئی تو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرشن کنہیا ڈھونڈھ رہے ہیں

لیکن میں تو بھول چکا ہوں

بینگن سے یہ بات چلی تھی

بھوک لگی ہے کتنی ہائے

جی میں ہے اک بھون کے بینگن

کھاؤں لیکن رادھا پیاری

رنگ کو اُس کے دیکھ کے مجھ کو

یاد آتے ہیں کرشن مراری

اس لئے بھوکا رہنا بہتر ——

چونکہ میں ہوں پریم پجاری

(ہر طرف سے داد دی جاتی ہے۔ بعض شعراء کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ یہی جدید شاعری میراجی کا ہی حصّہ ہے)

م۔ ن۔ ارشد:۔ اب جناب بکرماجیت ورما سے استدعا کی جاتی ہے کہ اپنا کلام سنائیں۔

بکرماجیت ورما:۔ میں نے حسبِ معمول کچھ گیت لکھے ہیں۔

غالب:۔ (حیران ہو کر) شاعر اب گیت لکھ رہے ہیں، مرے اللہ دنیا اب کدھر جا رہی ہے

بکرماجیت ورما:۔ مرزا آپ کے زمانے میں گیت شاعری کی ایک باقاعدہ صنف قرار نہیں دئے گئے تھے۔ دورِ جدید کے شعراء نے انھیں ایک قابلِ عزت صنف کا درجہ دیا ہے۔

غالب:۔ جی ہاں ہمارے زمانے میں عورتیں، بھانڈ، مراسی یا اس قماش کے لوگ گیت لکھا کرتے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بکرما جیت ورما :- پہلا گیت ہے "برہن کا سندیس" عرض کیا ہے :-

اُڑ جا او پردیس رے کوّے اُڑ جا دیس بدیس

سن کر تیری کائیں کائیں

غالب :- خوب۔ سن کر تیری کائیں کائیں!

بکرما جیت ورما :- عرض کیا ہے۔

سن کر تیری کائیں کائیں

آنکھوں میں آنسو بھر آئیں

بول یہ تیرے من کو بھائیں

مت جانا پردیس رے کوّے اُڑ جا دیس بدیس

م۔ ن۔ ارشد :- جی کیا اچھا خیال ہے۔ پنڈت صاحب۔ میرے خیال میں ایک گیت آپ نے کبوتر پر بھی لکھا تھا۔ وہ بھی مرزا کو سنا دیجئے۔

بکرما جیت ورما :- سنئے پہلا بند ہے :-

بول کبوتر بول!

دیکھ کوئلیا کوک رہی ہے

من میں میرے ہوک اٹھی ہے

کیا تجھ کو بھی بھوک لگی ہے

بول غٹر غوں بول۔ کبوتر

بول کبوتر بول!

باقی شعرا :- (یک زبان ہوکر) بول کبوتر۔ بول کبوتر۔ بول کبوتر۔ بول۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(اس اثنا میں مرزا غالب نہایت گھبراہٹ اور سراسیمگی کی حالت میں دروازے کی طرف دیکھتے ہیں)۔

بکرما جیت ورما:۔ اب دوسرا بند سنئے:۔

بول کبوتر بول!

کیا میرا ساجن کہتا ہے

کیوں مجھ سے روٹھا رہتا ہے

کیوں میرے طعنے سہتا ہے

بھید یہ سارے کھول۔ کبوتر

بول کبوتر۔ بول!

باقی شعراء:۔ (یک زبان ہو کر) بول کبوتر۔ بول کبوتر۔ بول کبوتر۔ بول۔

(اس شور و غل کی تاب نہ لا کر مرزا غالب بھاگ کر کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹیوٹر

اگر اس مضمون کا عنوان "ٹیوٹر" کی بجائے "میں ہوں خانہ بدوش" یا "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" ہوتا۔ تو بھی یہ نہایت موزون اور مناسب عنوان سمجھا جاتا۔ کیونکہ ایک "ٹیوٹر" اور "خانہ بدوش" میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ ممکن نہیں کہ ناکام عاشق اور شکستہ حال شاعر کے بعد ٹیوٹر سے بڑھ کر کوئی شخص اپنی شکست کی آواز آپ ہو۔ لفظ ٹیوٹر تھوڑی سی تشریح کا محتاج ہے۔ انگریزی دان اصحاب تو ٹیوٹر کی "شخصیت" سے بخوبی واقف ہیں۔ مگر اردو دان حضرات شاید اس شامت کے مارے انسان سے روشناس نہیں۔ ٹیوٹر اردو میں لفظ معلّم کا ہم معنی ہے۔ مگر ایک معلّم اور ٹیوٹر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ایک ڈھیلی ڈھالی شلوار اور ایک چست اور کسی ہوئی پتلون میں۔ بیچارہ معلّم عربی اور فارسی کا عالم و فاضل ضعیف العمر اور ضعیف الاعتقاد انسان ہے جس کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عجیب و غریب ہیئت ہر راہرو کو ہنسنے یا کم از کم مسکرانے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے برعکس ٹیوٹر نہایت سبک خرام نوجوان ہے۔ جو عام انسانوں سے اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی سائیکل پر سوار ہوتا ہے۔ اس کی پتلون میں ایک آدھ پیوند لگا ہوتا ہے اور اس کی ٹائی شاعر کے اس شعر کی یاد دلاتی ہے جس میں کہا گیا ہے۔

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

چند سال کا ذکر ہے۔ میں نے بھی تلاشِ معاش سے تنگ آ کر ٹیوٹر کا پیشہ اختیار کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب میرے پاؤں میں چکر تھا۔ اور جب میرا پسندیدہ شغل لاہور کے کوچوں اور بازاروں میں گھومنا اور یہ صدا بلند کرنا تھا۔

بیچتے ہیں علم ہے کوئی لینے والا

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ شروع میں مجھے اس پیشہ کے متعلق چند نہایت رنگین قسم کی غلط فہمیاں تھیں۔ مثلاً یہ کہ مجھے رؤسا اور امرا کی خوبصورت لڑکیوں کو پڑھانا ہو گا۔ نہایت معقول طلب ملے گی۔ میرے لئے ہر روز موٹر بھیجی جائے گی۔ مگر جلد ہی یہ تمام دلآویز خواب سراب سے بھی زیادہ باطل ثابت ہوئے۔

میری پہلی ٹیوشن کی داستان یوں شروع ہوتی ہے۔ ایک دن میں نے کسی انگریزی اخبار میں پڑھا۔ "رائے بہادر فقیر چند کو اپنی لڑکی کے لئے ایک ٹیوٹر درکار ہے" لکھا تھا۔ غرض مند دولت خانے پر ملاقات کریں۔ پتہ اکیس گاف روڈ۔ چنانچہ میں بھی قسمت آزمانے کے لئے علی الصبح گاف روڈ کی طرف روانہ ہوا۔ جب متعدد بازار سڑکیں باغ عبور کرنے پر ۲۱ - گاف روڈ نظر آئی تو میں نے نہایت گھبراہٹ کی حالت میں ہر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آنے جانے والے سے یہ پوچھنا شروع کیا "کیوں صاحب۔ آپ مجھے کیس گاف روڈ کا پتہ بتا سکتے ہیں" لیکن کسی بھلے مانس کو ۱۲۔ گاف روڈ کا پتہ معلوم نہ تھا۔ خیال آیا، راستہ سے بھٹک گیا ہوں اور لوٹ چلوں کہ اتنے میں ایک موڑ کے قریب ایک کمزور سے انسان نے سائیکل سے اُتر کر نہایت مری ہوئی آواز میں مجھ سے پوچھا "کیوں صاحب آپ مجھے ۱۲۔ گاف روڈ کا پتہ بتا سکتے ہیں؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا "آپ کو رائے بہادر فقیر چند کے ہاں جانا ہے۔" نووارد ایک خشک ہنسی ہنسا "آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟" اس نے کہا "کیونکہ مجھے بھی وہاں جانا ہے۔" "اخاہ" اُس نے کہا "تو آپ ٹیوٹر ہیں" ہم دونوں نے ہاتھ ملایا اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ اب ہم اس امر پر بحث کر رہے تھے۔ کہ کیا رائے بہادر فقیر چند کو سوائے ۱۲۔ گاف روڈ کے کہیں جگہ میسر نہ ہوئی کہ وہ کوٹھی بنا سکتے کہ اتنے میں ایک تیسرا نوجوان ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ چھوٹتے ہی اُس نے پوچھا "کیوں صاحب! اکیس گاف روڈ کدھر ہے" ہم دونوں نے بے ساختہ کہا۔ "تو آپ کو رائے بہادر فقیر چند کے ہاں جانا ہے" وہ کچھ گھبرایا۔ مگر جب ہم ہنسنے لگے تو ہماری بات سمجھ گیا۔ اور اب ہم موڑ پر تین ٹیوٹر کھڑے تھے۔ میں نے تجویز پیش کی کہ ہم اس موڑ پر چند منٹ اور ٹھہریں تاکہ اپنی برادری کے چند اور افراد اپنے ساتھ لے کر ایک جلوس کی شکل میں رائے بہادر کے گھر وارد ہوں۔ چشم زدن میں اس موڑ پر ٹیوٹروں کا ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ لاہور کے ہر پڑھے لکھے آدمی نے ٹیوٹر کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس مجمع میں ہر قماش کے لوگ شامل تھے۔ پروفیسر۔ وکیل۔ کلرک۔ بیکار چنانچہ اب ہم جس سائیکل سوار کو اپنی جانب آتا دیکھتے اُسے یہ کہہ کر "آپ کو ۱۲۔ گاف روڈ جانا ہے" اپنی مجلس میں شریک کر لیتے۔ دس پندرہ منٹ کے بعد ہم ٹیوٹروں کا ایک اچھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خاصہ ہجوم" رائے بہادر کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ دیکھنے میں گو ہم تمام مختلف تھے مگر بہت سی باتوں میں ایک دوسرے کے بالکل مشابہ تھے۔ مثلاً گھبراہٹ، پریشانی، آشفتہ حالی سب کے چہروں سے مترشح تھی جیبیں سب کی خالی، سائیکلیں سب کی پرانی۔ نگاہیں سب کی گرسنہ اور اداس۔

رائے بہادر نے ٹیوٹروں کے استقبال کے لئے ایک علیحدہ کمرہ مخصوص کر رکھا تھا جس میں دو کلرک صرف اس کام کے لئے بٹھائے گئے تھے۔ کہ ہر ایک ٹیوٹر کا نام، تعلیم، تجربہ، سارٹیفکیٹوں کی تعداد وغیرہ نوٹ کریں۔ اس کے بعد باری باری ہر ایک ٹیوٹر کو رائے بہادر کے پاس ملاقات کے لئے بھیجیں۔ تقریباً تین گھنٹے کے بعد میری باری آئی۔ رائے بہادر فقیر چند نے ایک چھلتی نگاہ میں میرا جائزہ لیا۔ اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے تین باتیں پوچھیں۔

"آپ شادی شدہ ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"آپ نے پہلے بھی کسی لڑکی کو پڑھایا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"آپ میری لڑکی کو بی۔ اے پاس کرانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"آپ باہر تشریف لے جائیں میرے پاس ایسے ٹیوٹروں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

میں پیشانی سے پسینہ پونچھتا ہوا باہر آیا۔ اور بغیر کسی سے کلام کئے سائیکل پر سوار ہو کر ہوا ہو گیا۔ . . . . . .

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چند دن کی دوڑ دھوپ کے بعد مجھے خبر ملی۔ کہ چودھری صدر دین کے ہاں ٹیوٹر کی جگہ خالی ہے۔ چودھری صاحب کو ایسے ٹیوٹر کی ضرورت تھی کہ جو اُن کی تین چار لڑکیوں کو تین چار گھنٹے روزانہ پڑھا سکے۔ ایک دوست کی وساطت سے میں نے چودھری صاحب سے ملاقات کا انتظام کیا جب ان کی کوٹھی پر پہنچا تو دیکھا کہ چودھری صاحب پلنگ پر دراز ہیں۔ ارد گرد چاپلوسوں کا مجمع ہے۔ فرش پر دس بارہ اخبارات اور رسائل بکھرے پڑے ہیں۔ اور کونے میں ایک کتا سِسک رہا ہے۔ چودھری صاحب کی عمر کوئی پچاس ساٹھ برس ہو گی۔ رنگ سیاہ فام چہرے پر وقار کے نشان۔ آواز میں درشتی ہاتھوں میں رعشہ۔ میں سلام بجا لایا۔ اور اپنے دوست کی سفارشی چٹھی اُن کے سامنے رکھ دی۔ چٹھی کو پڑھ کر چودھری صاحب نے کہا۔ "دیکھو صاحبزادے۔ مجھے تمھاری لیاقت سے زیادہ تمھاری شرافت کی ضرورت ہے۔ لڑکیوں کو پڑھانا ہے۔ اس لئے نہایت ذمہ داری کا کام ہے۔" "جی ہاں" ایک چاپلوس نے کہا۔ "یہ کوئی لڑکوں کو تھوڑا ہی پڑھانا ہے۔" میں نے جواباً عرض کیا۔ جناب میں آپ کو اپنی شرافت کا کس طرح یقین دلاؤں۔ سوائے اس کے کہ سو پشت سے شریف چلا آتا ہوں۔ اور اگر اس کے باوجود کوئی شرارت کا عنصر باقی رہ گیا تھا۔ تو اس کا بھوک اور بے کاری نے قلع قمع کر دیا ہے" چودھری صاحب نے دوسری بات تنخواہ کے متعلق دریافت کی۔ میں نے پچاس روپے مانگے۔ پچاس روپے کا نام سُن کر چودھری صاحب پلنگ پر سے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ دو تین بار "لاحول" پڑھا۔ اس کے بعد نہایت طنز یہ انداز میں کہنے لگے۔ "ارے اس چھوکرے کی طرف تو دیکھو۔ صرف چار گھنٹے پڑھانا ہے۔ اور پچاس روپیہ ماہوار مانگتا ہے" ایک چاپلوس بولا۔ "بابو صاحب کیا دماغ چل گیا" دوسرے نے کہا "میاں ہوش کی دوا لو۔ پچاس روپیہ میں تو بڑے سے بڑا پروفیسر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مل سکتا ہے" تیسرے نے کہا "اجی چودھری صاحب۔ یاد ہے۔ آپ کو وہ چھوکرا! جو پچھلے سال آپ کے ہاں پڑھانے آتا تھا۔ کتنا شریف تھا بیچارہ۔ ۵ گھنٹے پڑھاتا۔ اس کے بعد آپ کے تمام خطوط ٹائپ کرتا۔ اس کے بعد بچوں کو سیر کو لے جاتا۔ اس کے بعد....

چودھری صاحب نے سر کھجلاتے ہوئے کہا "ہاں۔ اس کے بعد مجھے اخبار پڑھ کر سناتا میرے لئے انگریزی میں تقاریر لکھتا۔ اور کبھی کبھی تو میری گاڑی ہانکنے سے بھی گریز نہ کرتا" ان تمام باتوں کے باوجود چودھری صاحب نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا "تنخواہ کیا لیتا صرف تیس روپیہ ماہوار"

میں نے سنجیدگی سے کہا "میں اس نوجوان کی ہمت کی داد دیتا ہوں مگر تیس روپیہ میں..."

"اچھا ہم چالیس روپیہ دے دیں گے" چودھری صاحب نے میری بات کاٹ کر کہا "زیادہ تکرار مت کرو۔ کل سے پڑھانا شروع کر دو"

اس تصفیہ کے بعد چودھری صاحب نے ایک نوکر کو بلایا کہ وہ مجھے زنان خانے میں داخل ہونے کے آداب سمجھا دے۔ اس نوکر کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ زنان خانے کے باہر ایک چھوٹا سا گھڑیال ہے۔ جس کو آکر ٹیوٹر بجاتا ہے۔ اس گھڑیال کی آواز سن کر ایک خادمہ باہر آتی ہے۔ جو کہ ٹیوٹر کو اندر لے جاتی ہے۔ پڑھنے کے کمرہ میں ایک گھنٹی لگی ہے۔ جس کو ٹیوٹر بجاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والیاں پڑھنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر خادمہ اندر جا کر لڑکیوں کو ساتھ لاتی ہے۔ اور جب تک ٹیوٹر پڑھاتا رہتا ہے۔ وہ ٹیوٹر کی حرکات و سکنات کا خیال رکھتی ہے۔ ساتھ ہی پتہ چلا۔ کہ چودھری صاحب نے ہر مضمون کے لئے علیحدہ علیحدہ ٹیوٹر مقرر کئے ہوئے ہیں یعنی گھر میں اچھا خاصہ سکول جاری ہے۔ لڑکیاں باری باری ہر ایک ٹیوٹر سے مختلف مضامین پڑھتی ہیں۔ تمام ٹیوٹر ایک وقت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر حاضر اور رخصت ہوتے ہیں چنانچہ مجھے بتایا گیا کہ میں کل دوپہر کے ایک بجے کہ جس وقت باقی ٹیوٹر آتے تھے، آؤں۔ دوسرے دن میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔ دوسرے ٹیوٹروں سے ملاقات کی۔ ان میں سے ایک مولوی صاحب تھے جو فارسی کے ٹیوٹر تھے۔ ایک پنڈت جی جو حساب پڑھاتے تھے۔ ایک ماسٹر جی جو تاریخ جغرافیہ کے استاد تھے جونہی ہم خادمہ کی معیت میں زنانخانے میں داخل ہوئے۔ دو چار لونڈیوں نے چلانا شروع کیا "بی بی پردہ ماسٹر لوگ آ گئے"۔ "بی بی پردہ۔ عظمت بی بی پردہ۔ رفعت بی بی پردہ۔ بڑی بیگم پردہ۔ چھوٹی بیگم پردہ۔ ماسٹر لوگ آ گئے۔" وہ اس جوش سے چلا رہی تھیں۔ گویا ماسٹر لوگ راہزن یا ڈاکو ہیں۔ پڑھانے کے کمرے میں چاروں کونوں میں چار میزیں تھیں جن کے سامنے دو دو کرسیاں رکھی تھیں۔ دیواروں پر متعدد نقشے لٹکے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک میز پر علیحدہ علیحدہ مضمون کی کتابیں پڑی تھیں۔ پڑھانے کا پہلا دن مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ہم سب نے اپنی اپنی میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کو بجایا۔ خادمہ اندر گئی اور چلمن کے پیچھے کچھ کھسر پھسر شروع ہوئی۔ کچھ اس قسم کی آوازیں سنائی دیں۔ تم پہلے چلو۔ تم چلو۔ چلو بھی نا۔ اس کے بعد ایک قطار میں چار نوجوان لڑکیاں کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک میری جانب بڑھی۔ اس کا نیم برہنہ لباس۔ نیم باز آنکھیں۔ اس کا سرکا ہوا آنچل جو کمر کے قریب آ گیا تھا۔ دیکھ کر مجھے پھریری سی آئی اور قریب تھا کہ میں سودا کی طرح پکار اٹھوں۔

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

کہ یکایک میری نظر خادمہ پر پڑی جس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ میں فوراً سنبھل گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حسینہ میرے سامنے کرسی پر تن کر بیٹھی ہوئی تھی اور نہایت حقارت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اگر میں یہ کہوں کہ اسے نگاہِ اولیں میں ہی مجھ سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نفرت سی ہوگئی۔ تو اس میں کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ چنانچہ دو منٹ پڑھنے کے بعد وہ منہ پھیر کر دروازے کی جانب تکنے لگی۔ میں نے کہا" اجی توجہ فرمایئے۔ کہانی کی تمہید تو آپنے سن لی اب تشریح سنئے " اُس نے اسی جانب دیکھتے ہوئے کہا" مجھے آپکے پڑھانے کا طریق پسند نہیں " یہ کہہ کر وہ اُٹھی اور چلمن کے پیچھے غائب ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد دوسری لڑکی انگریزی پڑھنے آئی۔ پانچ منٹ سبق پڑھنے کے بعد اُس نے کہا کہ کل اس نے پیانو پر ایک نئی طرز سیکھی ہے۔ جس کی مشق وہ اندر جاکر کرنا چاہتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ بھی اندر چلی گئی۔ تیسری لڑکی نے پڑھنے سے پیشتر مجھے بتایا کہ اس کا پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ چوتھی نے کہا کہ مجھے سردرد ہے۔ اب ہم پڑھانے کے کمرے میں چار بیکار ٹیوٹر ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ چند منٹ بیٹھنے کے بعد ہم چلے آئے۔ دوسرے دن بھی کم و بیش پہلے دن والا معاملہ پیش آیا۔ تیسرے دن ایک نئی افتاد پڑگئی۔ چاروں پڑھنے والیاں ہم سے روٹھ گئیں اب ہم ایک ایک کو منا رہے تھے۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے" بی بی تنویر! اب میرا کہنا مان لو اور پڑھو" اور بی بی تنویر سر ہلا کر کہہ رہی تھیں" اونہہ میں بالکل نہیں پڑھوں گی" پنڈت جی کہہ رہے تھے" لو زبیدہ اب غصہ تھوک دو" میں کہہ رہا تھا" بی بی نرگس جانے بھی دو۔ مان بھی جاؤ" اور ماسٹر جی کہہ رہے تھے" اچھا انور چھوڑو بھی اب پچھلی باتیں" اس دن مجھے معلوم ہوا کہ کامیاب ٹیوٹر وہ نہیں جو سب سے اچھا پڑھا سکے بلکہ جو سب سے زیادہ ناز اٹھا سکے۔ بڑی مشکل سے ہم نے تنویر، نرگس، زبیدہ اور انور کو پڑھنے پر راضی کیا۔ چند دن آرام سے گذرے۔ ایک روز میں نے نرگس کو اس بات پر سخت سست کہا کہ وہ انگریزی میں جواب مضمون کیوں لکھ کر نہیں لائی۔ میرا یہ کہنا تھا کہ وہ ناراض ہوکر اندر چلی گئی۔ میں نے خادمہ کو بلانے کے لئے اندر بھیجا۔ اُس نے کہلا بھیجا۔ کہ ہم ایسے ٹیوٹر سے پڑھنے کے لئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تیار نہیں۔ جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ اس سے اگلے دن وہ پڑھنے کو نہ آئی۔ اس کی بجائے چودھری صاحب تشریف لائے۔ آتے ہی انھوں نے فرمایا کہ میں ملازمت سے برطرف کیا گیا ہوں۔ کیونکہ نرگس کے خیال میں مجھے پڑھانا نہیں آتا۔۔۔۔۔

اب پھر میں ٹیوشن کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ خوش قسمتی سے ایک ہندو ٹھیکیدار کے ہاں ٹیوٹر کی ضرورت تھی۔ ان کی لڑکی کو جو ایف۔ اے میں پڑھتی تھی۔ انگریزی اور اردو پڑھانا تھا۔ مجھے اس شرط پر ٹیوٹر رکھا گیا۔ کہ میں لڑکی کو اس کی والدہ یا اس کے والد کی موجودگی میں انگریزی پڑھاؤں۔ پہلے دن جتنا عرصہ میں پڑھاتا رہا۔ لڑکی کی والدہ پولیس افسر کی طرح لڑکی کی کڑی نگرانی کرتی رہی۔ ہر دو منٹ کے بعد وہ پکار اٹھتی "شیلا سر پر کپڑا لو۔ شیلا ہنسو نہیں۔ شیلا آنکھیں نیچی کرو۔ شیلا ان کے منہ کی طرف کیا دیکھ رہی ہو" اور بیچاری شیلا کا منہ ہر بار شرم سے سرخ ہو جاتا۔ دوسرے دن شیلا کے والد تشریف لائے جس وقت میں پڑھا کر واپس جانے لگا۔ آپ میرے ساتھ ہو لئے۔ راستے میں کہنے لگے "آپ کو ایک بات کہوں۔ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا۔ فرمائیے "آپ ننگے سر نہ آیا کریں۔ میرا مطلب ہے کہ آج کل کافی سردی ہے اور آپ کو سرسام ہونے کا خطرہ ہے" میں نے کہا "بہتر" "ایک اور بات" لالہ جی نے فرمایا "آپ سر پر خوشبودار تیل نہ لگایا کریں۔ میرا مطلب ہے، آپ غریب آدمی ہیں اور آپ کو اس قسم کی فضول خرچی سے گریز کرنا چاہیئے" "اور اب صرف ایک بات اور وہ یہ کہ آپ پان مت کھایا کریں۔ میرا مطلب ہے، کہ اس سے دانت خراب ہو جاتے ہیں" میں نے دل میں کہا۔ جو آپ کا مطلب ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مگر خیر۔

غرضیکہ اس طرح کوئی دو ہفتے پڑھاتا رہا۔ اب نثر کی کتابیں ختم ہو گئی تھیں۔ اور ہم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے انگریزی نظموں کی کتاب اور اردو میں دیوانِ غالب شروع کرنا تھا۔ ایک دن لالہ جی بیٹھے تھے۔ میں پڑھا رہا تھا۔ میں نے انگریزی نظم کی تشریح شروع کی "یہ شاعر کہتا ہے عورتیں ہمیشہ بے وفا ہوتی ہیں" لالہ جی کرسی سے اچھل پڑے۔ کہنے لگے "یہ آپ کیا پڑھا رہے ہیں۔ اور کیا کہہ رہے ہیں"

میں نے عرض کیا "بندہ پرور یہ شاعر کہہ رہا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں" لالہ جی نے حکم دیا "یہ نظم مت پڑھایئے۔ اس سے اگلی نظم پڑھایئے" "بہت اچھا" میں نے کہا۔ شاعر کہتا ہے "اے خوبصورت عورت تو سرد آہیں مت بھر۔ کیونکہ مرد ہمیشہ بے وفا ہوتا ہے" لالہ جی نے چونک کر کہا "یہ نظم مت پڑھایئے۔ آگے چلیئے" میں نے کہا شاعر کہتا ہے "حسن دو روزہ ہے۔ اس لیئے اے نوجوان لڑکیو جتنی جلدی ممکن ہے شادی کر لو" لالہ جی غصے سے لال پیلے ہو گئے "کیا اس کتاب میں خرافات کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ یہ کتاب مت پڑھایئے، اردو پڑھایئے" میں نے دیوانِ غالب پڑھانا شروع کیا۔

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے

لالہ جی نے چلا کر کہا "ایسے اشعار مت پڑھایئے" میں نے دوسری غزل نکالی۔

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن

یہ غزل بھی مت پڑھایئے۔ میں نے تیسری غزل کا شعر پڑھا

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لالہ جی نے دیوانِ غالب میرے ہاتھ سے چھین لیا اور کہنے لگے۔ کیا انگریزی اور اردو شاعری میں سوائے عشق بازی کے اور کچھ نہیں۔ میں آج ہی یونیورسٹی کو چٹھی لکھوں گا کہ یہ کس قسم کی فحش نظمیں نصاب میں شامل کر رکھی ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے لڑکی کو اندر چلے جانے کو کہا۔ اور مجھ سے کہنے لگے "یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آپ اس قسم کی نظمیں میری لڑکی کو پڑھائیں۔ خاص کر جب کہ وہ عالمِ شباب میں قدم رکھ چکی ہے۔ میں کسی لیڈی ٹیوٹر کا انتظام کروں گا۔ آپ کو بُرا تو معلوم ہو گا۔ مگر میں مجبور ہوں۔ برسبیل تذکرہ انھوں نے مجھے چند قصّے ایسے ٹیوٹروں کے بھی سنائے۔ جو اپنی شاگرد لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد آج تک روپوش ہیں اور کہا۔ اگرچہ آپ اس قسم کے آدمی نہیں لیکن پھر بھی احتیاط لازم ہے"۔ میری فیس کا حساب چکایا۔ اور مجھے الوداع کہا۔۔۔۔

چند ہفتے بے کاری کی زندگی بسر کرنے کے بعد مجھے ایک معزز مسلمان گھرانے کی ٹیوشن مل گئی۔ یہاں بھی ایک شرط پر پڑھانا تھا۔ وہ یہ کہ لڑکی پردے میں پڑھے گی۔ میرا خیال تھا کہ لڑکی برقع میں بیٹھ کر پڑھے گی۔ مگر یہ خیال غلط نکلا صاحبِ خانہ چونکہ پرانی وضع کے آدمی تھے۔ اس لئے وہ صرف برقع پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ایک قنات لگا رکھی تھی۔ جس کے ایک طرف لڑکی برقع میں خادمہ کے ساتھ بیٹھتی اور دوسری طرف میں بیٹھتا۔ وقت مقررہ پر میں قنات کے سامنے بیٹھ جاتا۔ اور خادمہ اندر سے پکارتی "ماسٹر جی۔ آداب عرض۔ وہ آ گئی ہیں۔ آپ پڑھانا شروع کریں"۔ اور میں قنات کو مخاطب کر کے کہتا "سنئے۔ کل میں نے آپ کو یہ بتایا تھا۔ کہ شیکسپیر نے کل ۳۷ ڈرامے لکھے۔ وغیرہ وغیرہ" اندر سے آواز آتی "جی ہاں جی"۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ خادمہ ساتھ نہ آتی۔ اس حالت میں مجھے یہ پتہ لگانا مشکل ہوتا۔ کہ قنات کی دوسری طرف وہ آگئی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں یا نہیں۔ مصیبت یہ تھی۔ کہ وہ کبھی اپنی آمد کی اطلاع مجھے نہ دیتیں۔ اور مجھے اُن کے آنے کا پتہ اُن کی چوڑیوں کی کھنک یا پاؤں کی چاپ سے ملتا۔ کبھی کبھی پاؤں کی چاپ عجیب غلط فہمی کا باعث ہوتی مثلاً میں کہتا "آپ آ گئی ہیں" اور اندر سے آواز آتی "نہیں جی یہ تو میں ہوں کریم بخش کرسی جھاڑ رہا ہوں" یہ پردہ جہاں مصیبت تھا۔ وہاں راحت بھی کیونکہ مجھے پڑھانے میں بہت آسانی ہوتی۔ میں لغات، کورسوں کی کلید وغیرہ اپنے ساتھ لے جاتا۔ اور ان میں سے دیکھ دیکھ کر پڑھائے جاتا۔ ایک بات جو مجھے پریشان کرتی تھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ جس دن خادمہ ساتھ نہ آتی۔ وہ پڑھتے وقت مجھ سے عجیب و غریب سوال کرتیں۔ مثلاً ایک دن میں جان کیٹس کی نظم پڑھا رہا تھا۔ اس میں ایک جگہ کہا گیا تھا "میں نے اس کے چار بوسے لیے اور پھر وہ سو گئی" یک لخت انھوں نے قنات کی دوسری طرف سے پوچھا "جی یہ چار بوسے کیوں لیے گئے۔ پانچ کیوں نہیں" میں نے کہا "چار بوسے کافی ہیں" انھوں نے پوچھا "اور اگر پانچ ہوتے؟" میں نے کہا "تو پھر آپ یہ کہتیں چھ کیوں نہیں"۔ اس پر وہ ہنسنے لگیں۔

کبھی کبھی وہ سیکس کے موضوع پر اس بے باکی سے گفتگو کرتیں کہ مجھے ڈر آنے لگتا۔ مثلاً یہ تمام شاعر عاشق مزاج کیوں ہوتے ہیں۔ کیا واقعی انگلستان کی ہر ایک لڑکی کو لارڈ بائرن سے محبت تھی۔ ملٹن اتنا زاہد اور متقی تھا پھر اُس نے تین شادیاں کیوں کیں۔

اس لڑکی کو میں نے تین ماہ پڑھایا۔ مگر مجھے اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ کہ میں تین ماہ ایک قنات کو پڑھاتا رہا ہوں۔ خدا خدا کر کے اس ٹیوشن سے نجات ملی.....

اس کے بعد مجھے ایک ہندو رائے صاحب کے اکلوتے لڑکے کو پڑھانا پڑا۔ یہ لڑکا گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔ رائے صاحب کو میں اُن کی کوٹھی پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہلا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"آپ بیمار ہیں؟" میں نے کہا۔ "نہیں میں بے کار ہوں" کہنے لگے۔ "تو یہ آپ نے یتیموں سی شکل کیوں بنا رکھی ہے۔ اور کیا آپ اتنے تہی دست ہیں کہ بال بھی ترشوا نہیں سکتے۔ اور پھر اتنی لمبی داڑھی رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس ٹھاٹھ سے آپ رئیس زادوں کو پڑھائیں گے۔ اُف! کیا بے رُعب چہرہ ہے"

میں نے عرض کیا۔ "بندہ پرور میری داڑھی یا لباس نے تو رئیس زادوں کو پڑھانا نہیں۔ اس لئے اُن کی فکر نہ کریں۔ البتہ اگر آپ کو میری قابلیت کے متعلق کوئی شک ہو تو اُسے رفع کر سکتا ہوں" کہنے لگے۔ "محض لیاقت اور ذہانت کس کام کی۔ مجھے تو ایسا ٹیوٹر درکار ہے جو میرے لڑکے کو آداب و اخلاق سکھا سکے۔ زندگی کی ہر اُلجھن میں اُس کی راہنمائی کر سکے" میں نے یہ سمجھ کر کہ میری دال یہاں نہ گلے گی۔ آخری حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے کہا۔ "میں اس سے پہلے رئیس زادوں کو پڑھاتا رہا ہوں۔ آپ میرے متعلق چودھری وہاب دین سے دریافت کر سکتے ہیں" چودھری وہاب دین کا نام سُن کر وہ پسیجے اور کہنے لگے۔ "اچھا کل سے مدن کو پڑھانا شروع کر دو" مسٹر مدن جن کا پورا نام مسٹر مدن موہن تھا۔ اُن رئیس زادوں میں سے تھے۔ جنھیں علم اور کتابوں سے نفرت اور کتوں اور لڑکیوں سے محبت ہوتی ہے۔ آپ نہایت خوش اندام۔ خوش پوشاک طالب علم تھے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ طالب علم کا ہے کے اچھے خاصے لارڈ بائرن تھے۔ اُن کا مرغوب شغل حسین لڑکیوں کو اپنے دام میں پھنسانا تھا۔ چنانچہ جتنی لڑکیاں بھی کوٹھی کے آس پاس رہتی تھیں۔ ان سب پر آپ کا دانت تھا جس وقت پڑھانا شروع کرتا۔ وہ اپنے کسی تازہ رومان کا قصہ چھیڑ دیتے۔ بسا اوقات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کتاب میرے ہاتھ سے چھین کر زمین پر پٹک دیتے اور کہتے۔ اجی ماسٹر صاحب چھوڑیئے اس بک بک کو۔ ہر روز وہی بائرن۔ وہی شیلی۔ کیوں نہ ہم اور تم خود بائرن اور شیلی بنیں؟" اور پھر ماسٹر جی۔ سچ بتائیے۔ کیا آپ نے کبھی محبت کی۔ پھر خود ہی کہتے۔ مگر آپ سے محبت کیسے گا کون۔ سُوکھ کر تو آپ کانٹا ہو رہے ہیں۔ بالکل مجنوں کی طرح۔ مگر مجنوں سے تو لیلیٰ کو محبت تھی۔ ماسٹر صاحب آپ سے کسی لیلیٰ کو عشق ہے۔ اچھا بھلا کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔ نہایت خوبصورت شعر کیا کہا۔ آپ کو کوئی شعر یاد نہیں۔ کتنے خشک آدمی ہیں آپ۔ سنئے میں آپ کو شعر سناتا ہوں۔ داغ دہلوی کا شعر ہے۔ کیوں پسند آیا۔ اچھا تو آج پلازا میں کون سی پکچر ہے۔ چلیں گے آپ۔ گاڑی منگواؤں۔ میرے امتحان کا فکر نہ کریں۔ سب ممتحن واقف ہیں۔ ہر سال رشوت یا رسُوخ سے میں پاس ہو ہی جاتا ہوں۔ اور پیشتر اس کے کہ میں کچھ کہتا۔ وہ گھسیٹ کر مجھے پلازا لے جاتے۔ تقریباً سارا وقت اس قسم کی باتوں میں ضائع ہو جاتا۔ مگر چونکہ مجھے تنخواہ معقول مِل رہی تھی اس لئے میں اس اَمر کی چنداں پروا نہ کرتا۔

میری سب سے آخری ٹیوشن ایک خاصی مصیبت ثابت ہوئی۔ بدقسمتی سے مجھے ایک ایسے بنئے کے لڑکے کو پڑھانا پڑا۔ جو کہ خود نہایت کنجوس اور جس کا لڑکا نہایت غبی واقع ہوا تھا۔ لڑکے کی ذہانت کا یہ حال تھا۔ باوجودیکہ وہ الیف۔ اے میں پڑھتا تھا۔ اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ گریٹا گاربو مرد ہے یا عورت۔ اور سان فرانسسکو کسی شہر کا نام ہے یا کسی آدمی کا۔ میں اُسے جو کچھ پڑھاتا وہ اس کا مطلب بالکل اُس کے برعکس سمجھتا۔ مثلاً اگر میں کہتا کہ دنیا میں بہت سے بھیڑیئے انسانوں کے لباس میں پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔" تو وہ کہتا "آپ کا مطلب ہے کہ دنیا میں ہر انسان بھیڑیا ہے۔" اگر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا۔ کہ سورج ساکن ہے اور زمین گھومتی ہے۔ وہ اس کا مطلب یہ نکالتا۔ کہ زمین ساکن ہے اور سورج گھومتا ہے۔ بعض اوقات تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ کسی چیز کو اُس کے دماغ میں داخل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ چیز اُس کی کھوپڑی پر رکھ دی جائے اور اس پر ہتھوڑے سے ضربیں لگائی جائیں۔

یہ بنیا روپے پیسے کے معاملے میں بہت ہوشیار تھا۔ جب مہینہ ختم ہوتا تو حساب چکاتے وقت وہ کسی نہ کسی وجہ کی بنا پر تقریباً ایک ہفتہ کی تنخواہ ضرور کاٹ لیتا۔ کبھی اس لئے کہ مجھے تین دن زکام کی شکایت رہی تھی۔ جس کی وجہ سے میں اس کے لڑکے کو اچھی طرح پڑھا نہیں رہا۔ کبھی اس لئے کہ فروری کے اٹھائیس دن ہوتے ہیں۔ میں نے اٹھائیس دن لڑکے کو پڑھایا ہے۔ اس لئے تیس دن کی بجائے اٹھائیس دن کی تنخواہ ملے گی۔ کبھی کہتا۔ کہ دو دن آپ نے ایک گھنٹہ کی بجائے پچپن منٹ پڑھایا تھا۔ اس لئے آپ کے دس منٹ کے پیسے میں نے کاٹ لئے ہیں۔“

دوسری کوفت اس بنئے کے گھر یہ تھی۔ کہ وہ تقریباً پون درجن بچوں کا باپ تھا۔ جس وقت میں اُس کے بڑے لڑکے کو پڑھا کر فارغ ہوتا۔ ان لڑکوں کی ماں اپنے تمام چھوٹے چھوٹے بچوں کو میرے پاس بھیج دیتی۔ کہ چلتے چلتے میں ان کو ایک آدھ بات سمجھاتا جاؤں۔ چنانچہ وہ طرح طرح کے فضول سوالوں سے میرا دماغ چاٹتے رہتے۔

”ماسٹر جی، نادر شاہ کس کا بیٹا تھا؟ ماسٹر جی سپین کا دارالخلافہ کیا ہے؟ ماسٹر جی۔ اگر دو آنے تین پائی کا ایک خرگوش آئے تو پندرہ آنے تو پائی کے کے خرگوش آئیں گے۔ ماسٹر جی ”استقلال“ اور ”استقبال“ میں کیا فرق ہے؟.... ”فصیلِ کشورِ ہندوستان کے کیا معنی ہیں.....؟“

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اِس قسم کے سوالات سن کر میرا دل کباب ہو جاتا۔ اور بے اختیار جی میں آتا کہ ان میں سے ایک آدھ کا گلا گھونٹ کر کہیں بھاگ جاؤں۔ جان عجیب ضیق میں تھی کہ یک لخت نصیب نے پلٹا کھایا۔ مجھے مقامی کالج میں ملازمت مل گئی اور بنئے اور ٹیوشن سے نجات . . . . .

لیکن اگرچہ اب میں ٹیوٹر نہیں رہا۔ پھر بھی لمبا اوقات خواب میں اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے کالے کلوٹے بچوں میں گھرا ہوا پاتا ہوں۔ ان میں سے ایک پوچھتا ہے "ماسٹر جی۔ نادر شاہ کس کا بیٹا تھا۔ دوسرا کہتا ہے۔ اگر دو آنے تین پائی کا ایک خرگوش آئے۔ تو پندرہ آنے نو پائی کے کے خرگوش آئیں گے . . . . . "

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے!

ٹیگور۔ اقبال۔ کوہ ہمالیہ اور تاج محل کے علاوہ اپنے وطن میں بہت سی ہستیاں اور اشیاء قابلِ ستائش ہیں۔ مثلاً مچھر۔ شاعر۔ عشاق یہ تو وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اپنے وطن میں مچھر زیادہ ہیں یا شاعر۔ مگر بہر حال دونو کافی تعداد میں ہیں۔ مچھروں اور شاعروں میں اس لئے بھی مطابقت ہے۔ کہ دونو شمع ہوتے پر بھنبھنانا شروع کرتے ہیں۔ نیز جس طرح مچھروں کی کئی قسمیں ہیں۔ اسی طرح شاعروں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) شاعر جو اپنا کلام طبلہ اور سارنگی کے ساتھ گا کر سناتے ہیں (۲) شاعر جو ساری عمر حکومت کے خلاف نظمیں لکھتے ہیں۔ اور آخر میں کسی سرکاری محکمے میں نوکر ہو جاتے ہیں (۳) شاعر جو اپنی نظم کا گراموفون ریکارڈ اپنی آواز میں تیار کرواتے ہیں۔ اور پھر اسے خود ہی فروخت کرتے ہیں (۴) شاعر جو صرف طوائفوں کے لئے لکھتے ہیں۔ (۵) شاعر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جنھوں نے شاعری سکھانے کے کالج کھول رکھے ہیں۔ شعرا کے بعد اپنے وطن میں عشاق کا نمبر آتا ہے۔ عشق ہماری گھٹی میں پڑا ہے۔ چنانچہ اپنے وطن کا ہر شخص مجنوں اور کوہکن کا نام لیوا ہی نہیں۔ بلکہ خود مجنوں اور کوہکن ہے۔ عشاق کی صفِ اوّل میں کالجوں کے طالب علم ہیں۔ ان کا عشق "والہانہ عشق" کہلاتا ہے۔ ان کو ہر لڑکی اور ہر عورت سے عشق ہوجاتا ہے۔ بازار میں سے گذرتی ہوئی عورتوں سے۔ ٹانگہ یا موٹر میں سوار کالج کی لڑکیوں سے، سکولوں کی اُستانیوں سے۔ ہسپتالوں کی نرسوں سے، سینما کی ایکٹرسوں سے، خوبصورت چینی لڑکیوں کی تصویروں سے، ان کے اظہارِ محبت کے طریقے بھی نرالے ہیں۔ معشوق کی طرف گھور گھور کر دیکھنا معشوق کے قریب سے سرک کر گذر جانا۔ اُس پر آوازے کسنا۔ اُس کا نام کالج کی دیواروں، تختۂ سیاہ اور بنچوں پر لکھنا۔ اُس پر کاغذ کے غبارے یا چاک کے ٹکڑے پھینکنا۔ طالب علموں کے بعد عشاق کا دوسرا بڑا گروہ دکان دار طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا عشق "سوقیانہ عشق" کہلاتا ہے انھیں ہر خوبصورت سودا خریدنے والی سے عشق ہوجاتا ہے۔ یہ اپنے عشق کا اظہار تب کرتے ہیں۔ جب معشوق دکان سے باہر چلا جاتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں اُس کے خد و خال۔ شوخی و شرارت کا تذکرہ چٹخارے لے لے کر دکان کے دوسرے آدمیوں یا ہمسایوں سے کیا جاتا ہے۔ عشاق کی تیسری جماعت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو پیر سال یا قریب مرگ ہیں۔ ان کا عشق "صوفیانہ عشق" کہلاتا ہے۔ ان کا مقولہ ہے سدا رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے۔ یہ عبادت گاہوں، مزاروں اور جلسوں میں عورتوں کی طرف دیکھ دیکھ کر دلی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ عشاق کی آخری جماعت وہ ہے جس کا عشق "غائبانہ عشق" کہلاتا ہے۔ اس جماعت کے افراد کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نادیدہ محبوب سے عشق ہو جاتا ہے۔ جیسے ریڈیو پر گانے والی تمام طوائفوں سے، خوبصورت برقع میں چلنے والی عورتوں سے، ہالی وڈ میں کام کرنے والی ایکٹرسوں سے، ملک کی ہر نامور ادیبہ اور شاعرہ سے۔

(۲)

اپنے وطن میں ادبا کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انھیں کوئی شریف آدمی محلے میں مکان کرائے پر نہیں دیتا۔ کوئی شخص اُن کے ساتھ اپنی لڑکی کا رشتہ نہیں کرنا چاہتا۔ اور اُن کو اُن کی نظموں اور مضامین کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا۔ مگر پھر بھی اُن کا کافی احترام کیا جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے ہندوستانی ادیب ہوا پر پلتے ہیں۔ چنانچہ جتنا بڑا ادیب ہوتا ہے۔ اُتنا ہی وہ افلاس زدہ ہوتا ہے۔ سب سے بڑا ہندوستانی ادیب وہ ہے۔ جس کے مرنے پر اس کے کفنانے اور دفنانے کے اخراجات میونسپل کمیٹی کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ امریکہ اور انگلستان میں جب مصنف مرتے ہیں تو اپنے پیچھے لاکھوں پونڈ کی جائدادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جب کوئی مصنف مرتا ہے تو وہ یہ چھوڑ جاتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی چارپائیاں، غلیظ بستر چند لوٹے اور قرضہ اتنا کہ مرحوم کی سات پشتیں بھی ادا نہ کر سکیں۔ اپنے وطن میں ادبا کی شاذ ہی ور یا دلی سے تعریف کی جاتی ہے۔ اگر وہ کوئی اچھی چیز لکھیں تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے کہیں سے چرائی ہے۔ اور اگر چرائی نہیں تو انھوں نے کسی مغربی شاہکار کا ترجمہ کر ڈالا ہے۔ اور اگر کبھی کبھار مان بھی لیا جائے۔ کہ انھوں نے واقعی اچھی چیز لکھی ہے۔ تو یہ کہا جاتا ہے کہ ابھی وہ رذیل قسم کے ادیب ہیں۔ جنھیں ہوپسان اور چیخوف سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ چاہے وہ کتنا زور ماریں اُن کی عظمت کا اعتراف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمیشہ دلی زبان میں کیا جاتا ہے - اور تان اس بات پر ٹوٹتی ہے - کہ ہنوز دہلی دور است -

(۳)

اپنے وطن میں تنقید کا بھی عجب معیار ہے - صرف وہی کتابیں قابلِ قدر سمجھی جاتی ہیں - جن کو ہر شریف آدمی بخوشی اپنی ماں یا بہن کے ہاتھ میں دے سکتا ہے - یعنی جن میں کوئی اصلاح کا پہلو موجود ہے - ہر ایک شاعر اور افسانہ نویس سے یہ توقع کی جاتی ہے - کہ وہ شاعر، افسانہ نویس اور ناولسٹ ہونے سے پہلے پیغمبر، واعظ اور خطیب ہو - اس کی ہر کہانی سبق آموز اور ہر نظم نتیجہ خیز ہو - چنانچہ اگر وہ ناول لکھے - تو ضرور یہ دکھائے کہ نیک آدمی کو نیکی کی جزا ہر حال میں ملتی ہے - اور بدمعاش اپنے جرم کی پاداش میں ضرور پھانسی کے تختہ پر لٹکایا جاتا ہے - اگر وہ افسانے لکھتا ہے - تو وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ ہندوستانی بیوی اپنے بدکار خاوند کی خباثت کے باوجود اس سے محبت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اگر وہ شاعر ہے تو وہ ہر مذہبی اصول کو اپنی نظم کا موضوع بنائے -

(۴)

اپنے ملک کی فلمیں بھی عجیب ہیں - پندرہ پندرہ ہزار فٹ لمبی کہانیوں میں نہ تسلسل نہ پلاٹ - ہر ایک تصویر میں وہی ہیرو وہی ہیروین - ایک درجن کے قریب گانے - پانچ چھ ناچ - بوس و کنار کے بغیر محبت - بے ربط مکالمے - بے معنی گیت - غیر قدرتی انجام - واقعی یہ عجیب ملک ہے - جہاں ڈائرکٹر کہانی لکھنے کے علاوہ گانے اور مکالمے بھی خود لکھتا ہے - ہیرو کا پارٹ بھی خود ادا کرتا ہے - اور دو تین بار ہیروین سے جھوٹ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

موٹ بیاہ رچانے کے بعد واقعی اُس سے شادی کر لیتا ہے!

(۵)

اپنے وطن میں فحش اشتہارات کی بھی افراط ہے۔ دیواروں پر۔ درختوں کے تنوں کے ساتھ۔ نوٹس بورڈوں پر یہ اشتہار جلی قلم میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی جگہ ان اشتہارات سے بچی ہے۔ تو وہ آسمان ہی ہے ان اشتہاروں کو پڑھ کر ایک غیر ملک کا باشندہ یہی نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کا بچہ بچہ جنسی امراض میں مبتلا ہے۔ معزز سے معزز اخبار میں یہ اشتہار نمایاں جگہ پر شائع کئے جاتے ہیں۔ مگر ہم سب اِن سے اس قدر مانوس ہو چکے ہیں۔ کہ ہمارا بڑے سے بڑا لیڈر بھی ان کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتا۔

(۶)

اپنے وطن میں ہر اکیلی نوجوان لڑکی یا عورت شک کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اکیلی سیر کو جا رہی ہے۔ تو شکار پھانسنے کے لئے جا رہی ہے۔ اگر وہ اکیلی سفر کر رہی ہے۔ تو ضرور حُسن فروش ہے۔ اگر وہ تن تنہا سکونت پذیر ہے۔ تو اس پر ہم گھناؤنے سے گھناؤنا الزام لگانے میں حق بجانب ہیں۔ اگر وہ کسی ایسے آدمی سے بات چیت کر رہی ہے۔ جو اُس کا بھائی یا باپ نہیں۔ تو ضرور اُس سے اظہارِ محبت کر رہی ہے۔ اگر وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رنگین مزاج ہے۔ اگر اندھیرے میں کہیں جا رہی ہے۔ تو ضرور اپنے عاشق کے گھر جا رہی ہے۔ اور اگر وہ تاریکی میں کہیں سے آ رہی ہے۔ تو اپنے آشنا کے گھر سے آ رہی ہے چونکہ اپنے ملک میں سوائے طوائف کے ہر ایک عورت غلام ہے۔ اس لئے ہر آزاد خیال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عورت پر ہمیں طوائف کا شبہ ہوتا ہے۔

(۷)

واقعی اپنے وطن میں سب کچھ ہے ..... نفاق۔ جہالت۔ غلاظت مذہبی جنون۔ ہمارے سٹیشنوں کے مسافر خانے۔ ہمارے ہوٹل۔ ریل گاڑیاں۔ غلاظت سے پُر ہوتی ہیں۔ مگر ہمارے تحمل کا یہ حال ہے کہ ہم سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں مسافر خانے یا ہوٹل میں صرف ایک آدھ گھنٹہ ٹھہرنا ہے۔ اس لئے اگر وہ گندے بھی ہیں۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ ہمارے مذہبی جنون اور جہالت کی یہ حالت ہے۔ کہ ہم جاہل سے جاہل مولویوں اور پنڈتوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننے کو تیار ہیں۔ وہ جس طرح ہمیں نچاتے ہیں۔ ہم ناچتے ہیں۔ نہ صرف ناچتے ہیں۔ بلکہ اُن کے اشاروں پر ناچنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ "کیونکہ مسجد کے سامنے ہندوؤں نے باجا بجایا ہے۔ اس لئے ہندو گشتنی ہیں"۔ حالانکہ ابھی ابھی انگریزی پلٹن کا بینڈ قیامت برپا کرتا ہوا مسجد کے سامنے سے گذرا تھا۔ ابھی جس وقت مولوی صاحب نہایت انہماک کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے "کیونکہ اس مسلمان نے گائے ذبح کی ہے۔ اس لئے اس کی گردن اڑا دو"۔ حالانکہ ہر روز انگریزی چھاؤنیوں میں فوجیوں کے لئے ہزاروں گائیں ذبح کی جاتی ہیں۔ اپنے وطن میں مذہبی پیشوا ہمیشہ مزے میں اور مذہب ہمیشہ خطرے میں ہوتا ہے۔ مذہب کا اپنے وطن میں بہترین استعمال کیا جاتا ہے۔ ہندو مسلم کو لڑوایا جاتا ہے۔ مذہب کی بدولت۔ فرقہ وارانہ فساد کرائے جاتے ہیں۔ تو اسی کی بدولت۔ اور غلامی کی زنجیروں کو مضبوط بنایا جاتا ہے۔ تو وہ بھی اسی کی بدولت۔ عجیب بات یہ ہے کہ متعدد بار زک اٹھانے کے باوجود ہم یہ نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سمجھتے۔ کہ ہمارے مذہبی پیشوا اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔

(۸)

مگر کہاں تک ذکر کیا جائے۔ کہ اپنے وطن میں کیا کیا ہے۔ اور کیا کیا نہیں۔ اپنے وطن میں سڑکیں ہیں۔ جن پر رات کو کبھی روشنی نہیں ہوتی۔ اور جن پر دن میں کبھی چھڑکاؤ نہیں ہوتا۔ ایسے جوتشی اور عامل ہیں۔ جنھیں یہ معلوم نہیں۔ کہ آج ہفتے کا کون سا دن ہے۔ مگر جو ہر وقت بتا سکتے ہیں۔ کہ قیامت کب آنے والی ہے۔ ایسی دوکانیں ہیں۔ جو عین بدررو کے اوپر واقع ہیں۔ مگر جہاں سے اشیاء خریدنے میں کسی کو عذر نہیں۔ ایسے مغرب پرست انسان ہیں۔ جو دروازے اور روشندان بند کر کے اپنی بیوی کے ساتھ رقص کرتے ہیں۔ ایسی کم سن بیوائیں ہیں۔ جنھوں نے اپنے خاوند کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔ ایسے سیاست دان ہیں۔ جن کے نزدیک سیاست دانی کی انتہا چرخہ کاتنے میں ہے . . . . اینگلو انڈین مصنفوں کی نظر میں ہندوستان، مہاراجوں۔ ہاتھیوں اور سپیروں کا ملک ہے۔ حالانکہ اچھی طرح دیکھا جائے۔ تو یہ نقالوں۔ غداروں اور کنگالوں کا وطن ہے۔

اپنے وطن میں محبت گناہ ہے۔ اور عشق جرم۔ مذہب پر جائز اعتراض کرنا کفر ہے۔ اور پرانی روش کو چھوڑنا غداری . . . . . . صرف ایک چیز اپنے وطن میں نہیں۔ اور وہ ہے خوبصورت عورتیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ ہمارے راجاؤں نوابوں اور شعرا کو خوبصورت عورتیں لانے کے لئے پیرس اور لندن جانا پڑتا ہے۔ اس چیز کے علاوہ اپنے وطن میں سب کچھ ہے۔ الہ آلا ثر بجا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فرماتے ہیں :-

اپنے وطن کے دن رات نیارے
باغ اور آکاش، پھول اور ستارے
اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے!

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سب کچھ مہنگا ہو گیا ۔ کتابیں سستی ہو گئیں

میری لائبریری

آردو میں کم خرچ کاغذی کتابوں (پاکٹ بکس) کا پہلا سلسلہ

"اگر ہم اب بھی کتابیں نہ خریدیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم کتابیں پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔" روزنامہ : ڈان ، کراچی

مصنف : لن ۔ یو ۔ تانگ

جینے کی اہمیت

پہلی قیمت: بارہ روپے
ساڑھے پانچ روپے

"زندگی کے خشک مسائل پر اتنی دلچسپ کتاب میری نظر سے آج تک نہیں گزری ۔" علامہ نیاز فتح پوری ، مدیر: نگار

مصنف : ڈیل کارنیگی

میٹھے بول میں جادو ہے

پہلی قیمت: سات روپے
تین روپے

قرآن اور بائبل کو چھوڑ کر اس کتاب نے لوگوں کو سب سے زیادہ کامیابی بخشی ہے۔ قرآن اور بائبل کو چھوڑ کر یہ دنیا کی سب سے مقبول کتاب ہے ۔ مختلف زبانوں میں ایک کروڑ جلدیں بک چکی ہیں ۔

مصنف : ڈیل کارنیگی

پریشان ہونا چھوڑیے

پہلی قیمت : چھ روپے
تین روپے

ہماری مالی ، جنسی ، ذہنی اور روحانی پریشانیوں کے آزمودہ علاج ۔

مصنف: ڈیل کارنیگی

گفتگو اور تقریر کا فن

پہلی قیمت: پانچ روپے
سوا دو روپے

اس کتاب کے مطالعے سے آپ کی باتیں لوگوں کا دل موہ لیا کریں گی ۔

مصنف : ڈاکٹر مارڈن

زندگی اور عمل

قیمت : ڈیڑھ روپیہ

روز مرہ زندگی کے مسائل کو عملی طور سے حل کرنے کے آسان راستے ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مولانا ابوالکلام آزاد

غبار خاطر

تین روپے
پہلی قیمت: چھ روپے

قدرت بیان کی بے ساختگی، فکر کے پیمانے کی بلندی، نظر کے معیار کی ارجمندی سے معمور خطوط کا یہ مجموعہ ایک عظیم انسان کی ذہنی زندگی کا روشن ترین عکس ہے۔

———

مولانا ابوالکلام آزاد

تذکرہ

تین روپے
پہلی قیمت: سات روپے

باطل کے خلاف حق کی طاقتوں کے زبردست جہاد کا تذکرہ۔ حق کے لئے لڑنے والوں کی ان مثالوں سے پڑھنے والوں کے دل مدتوں گرم رہیں گے۔یہ مثالیں اندھیرے میں جگنوؤں کی طرح چمکتی رہیں گی۔

———

مصنف: عطا اللہ پالوی

حلال و حرام

خاص میری لائبریری میں: سوا دو روپے

قرآن کے مطابق کھانے پینے اور فنون لطیفہ میں کیا حلال اور کیا حرام ہے۔ ایک روشن فکر مصنف کے قلم سے ایک اہم معاشری اور دینی مسئلے پر ایک انقلاب آفریں کتاب۔

———

مصنف: آرتھرویگل

قلو پطرہ

خاص میری لائبریری میں: تین روپے

ملکۂ مصر، ملکۂ جلال و جمال قلوپطرہ کی رنگین و سنگین زندگی کا حقیقت آفریں جائزہ۔ ''قلوپطرہ—قدیم مصر اور قدیم روم کی انتہائی دلچسپ معاشرتی تاریخ ہے۔''

روزنامہ: امروز' لاہور

———

علی ناصر زیدی پروفیسر پاکستان ملٹری اکیڈیمی

معلومات کا انسائیکلوپیڈیا

خاص میری لائبریری میں: تین روپے

آپ کا گھر اب آپکے ہمسایوں کی نسبت اس لئے بھی افضل سمجھا جائیگا کہ اس میں معلومات کا انسائیکلوپیڈیا جیسی اہم اور مفید کتاب موجود ہوگی۔ معلومات کی صحت اور وسعت سے آپ یقیناً اپنے ماحول میں ممتاز حیثیت حاصل کر سکتے ہیں۔ پانچ سو صفحوں کی اس ضخیم اور بھرپور کتاب کی تیاری میں مرتب نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ناشر نے حتی الامکان قیمت کم رکھی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لہریں — حماقتیں — مزید حماقتیں — پرواز

1.50 3.00 3.00 1.50

اردو کے مشہور و مقبول ترین افسانہ نگار شفیق الرحمان کے ہنستے مسکراتے افسانوں اور خاکوں کے یہ چار مجموعے اس بات کا ثبوت ہیں کہ "شفیق الرحمان موجودہ دور میں شگفتہ اور صحت مند ادب کا بانی ہے۔"

ماہ نامہ: ادب لطیف، لاہور

سنگ و خشت — شیشہ و تیشہ — گرد کارواں

1.50 1.50 1.50

کنہیا لال کپور کے طنز کے تیروں اور مزاح کی پھلجھڑیوں سے معمور مضامین اور خاکوں کے یہ تین مجموعے ہماری معاشری، ادبی اور اخلاقی زندگی کو بے نقاب کرنے میں مثال نہیں رکھتے۔ کپور کے مضامین میں ظرافت ہے، زندگی ہے، گہما گہمی ہے۔

مصنفہ:
قرۃالعین حیدر

میرے بھی صنم خانے

تین روپے
پہلی قیمت: چھ روپے

قرۃ العین حیدر اردو میں ایک بالکل نئے اسلوب نگارش کی موجد ہیں۔ ان کا یہ ناول اردو کے چند بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔

دیوان غالب

میری لائبریری میں اردو کے مقبول ترین شاعر کے اردو کلام: دیوان غالب کا صحیح ترین نسخہ بے داغ طباعت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ دس بیس روپے کے بجائے یہی نسخہ صرف سوا دو روپے میں مل جائے۔

ابوبکر، صدیق اکبر — عمر، فاروق اعظم

8.00 4.50

دنیائے اسلام کے نامور مورخ محمد حسین ہیکل کے قلم سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مستند ترین اور انتہائی دلکش سوانح عمریاں۔ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتابیں ناگزیر ہیں۔

مصنف:
ابو زید شلبی

خالد، سیف اللہ

سوا دو روپے
پہلی قیمت: پانچ روپے

خدا کی تلوار' خالد' سیف اللہ پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

الزھرا ــــ الحسین ــــ الھارون

2.25 ــــ 1.50 ــــ 1.00

عمر ابوالنصر عربی کا نامور سوانح نگار ہے - الزھرا میں خاتون جنت بی بی فاطمہ کی جیتی جاگتی شخصیت اجاگر کی گئی ہے - الحسین حضرت امام حسین کے حالات کا سب سے مستند تذکرہ ہے - الھارون عظیم ترین مسلمان بادشاہ ھارون الرشید کے دلچسپ ترین واقعات پر مبنی ہے - ان تینوں کتابوں میں مصنف نے تاریخ نویسی کا ایک نیا اور برتر معیار قائم کیا ہے -

مصنف :

سوا دو روپے

علامہ شبلی نعمانی

المامون

پہلی قیمت : پانچ روپے

''شبلی نعمانی نے المامون میں مامون الرشید بن ھارون الرشید کے تمام کارنامے، اچھے یا برے، نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے لکھے ھیں - انھوں نے دلچسپ واقعات کے ساتھ ساتھ مامون کی پرائیویٹ زندگی، اس کے مشغلوں اور محفلوں کا بھی ذکر کیا ہے - اور اس زمانے کی زندگی اور معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے -'' سر سید

مصنفہ : ودادالسکاکینی

مترجم : عبدالصمد صارم

رابعہ بصری

خاص میری لائبریری میں : ڈیڑھ روپیہ

''دنیائے تصوف کی مشہور ہستی رابعۂ بصری کے نام سے ہر شخص واقف ہے، اردو ادب میں بھی اس نام کو تلمیحی حیثیت حاصل ہے لیکن ان کے حالات کا علم ہزار میں سے ایک کو بھی نہیں اسلیے یہ کتاب صنف تاریخ و تذکرہ میں بڑا اچھا اضافہ ہے''- نیاز فتح پوری

مصنف : احمد زکی

مترجم : عبدالصمد صارم

عمر بن عبد العزیز

خاص میری لائبریری میں : سوا روپیہ

بنو امیہ کے ایسے جلیل القدر فرزند کے حالات جس نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دی - ایک مختصر لیکن بھرپور کتاب -

---

مصنف : انیس زکریا

ترجمہ : عبدالصمد صارم

امیر معاویہ

خاص میری لائبریری میں : سوا روپیہ

سلطنت بنو امیہ کے بانی، کاتب وحی، حضرت امیر معاویہ کی سیاست، فراست اور طرز حکومت کا جائزہ ایک منصفانہ کتاب -

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مکتبۂ جدید ۶ فتح محمد روڈ لاہور

"یہ واقعہ ہے کہ علم و ادب کی مکتبۂ جدید سے زیادہ گراں قدر خدمات کرنے والا ادارہ اِس وقت کوئی دوسرا نہیں۔"

علامہ نیاز فتح پوری

"کتابوں کی طبع و اشاعت بجائے خود ایک مقتدر فن ہے، اِس فن میں مکتبۂ جدید کی دسترس اور مہارت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔"

فیض احمد فیض

آپ اچھی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں!
مکتبۂ جدید اچھی کتابیں شائع کرتا ہے!

ہفت روزہ نصرت لاہور

یکے از مطبوعات مکتبۂ جدید ——— اڈیٹر: حنیف رامے

"اِنسانوں کے دلوں میں بہتر زندگی کے لئے آرزو پیدا کرنا، اپنے مُلک و مِلّت کے مسائل میں تعمیری [ضر]بات کے ساتھ خود حصّہ لینا اور دوسروں کو مائل کرنا نصرت کا مطمحِ نظر ہے۔"

ابو الاثر حفیظ جالندھری

"نصرت نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس کے پیچھے ایک صحت مند پیغام ہے اور اِس میں بصیرت کی چمک ہے۔"

مصوّرِ مشرق، عبدالرحمٰن چغتائی

ایک شمارہ: چھ آنے

سال بھر کے لئے پندرہ روپے۔ دو سال کے لئے پچیس روپے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میری لائبریری میں

تین خوش و خرم کتابیں

گرد کارواں

سنگ و خشت اور شیشہ و تیشہ کے مصنف کنہیا لال کپور
کے تازہ ترین مضامین کا مجموعہ جس میں ان کا معرکہ آرا
ڈراما ''سلیم اور انارکلی'' (مکمل) شامل ہے۔

قیمت: ڈیڑھ روپیہ

چراغ تلے

مشتاق احمد یوسفی کے مضامین کا پہلا مجموعہ
اردو ادب کی گھٹی گھٹی فضا میں تازہ ہوا کا بھرپور جھونکا
طنز نگاری ہی نہیں۔ نثر نگاری کی بھی جیتی جیتی مثال

قیمت: ڈیڑھ روپیہ

پرواز

لہریں، حماقتیں، مزید حماقتیں کے مصنف شفیق الرحمان کی مزاحیہ
تحریروں کا ایک اور مجموعہ جس میں ان کے مشہور افسانے:
ایک دفعہ کا ذکر ہے، قصہ حاتم طائی بے تصویر، شیطان
اور کوہ ہمالیہ، شیطان کی خالہ جان وغیرہ شامل ہیں۔

قیمت: ڈیڑھ روپیہ

مکتبۂ جدید، لاہور

رپن پریس، لاہور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri